

مدیرِ اعلیٰ:

صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

318 اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

بخدمت جمیع برادرانِ اسلام---السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اپنا ادارہ، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فضل وکرم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وعنایت اور حضرت سیدی فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کی باطنی توجہات سے علوم دینیہ کے فروغ کے لیے مصروف عمل ہے---اس وقت بحمد اللہ تعالیٰ یہاں سیکڑوں زیرِ تعلیم طلبہ وطالبات، قدیم وجدید علوم سے مستفیض ہو رہے ہیں، جن کی خوراک، رہائش، علاج، تعلیم، اساتذہ وعملہ کے مشاہرات اور دیگر ضروری لوازمات پر نہایت کفایت شعاری کے باوجود (تعمیراتی اخراجات کے علاوہ) لاکھوں روپے ماہانہ خرچ ہو رہے ہیں---

صرف سٹاف کی تنخواہوں کے لیے چار لاکھ پچھتر ہزار روپے ماہانہ درکار ہوتے ہیں، جب کہ بجلی، گیس اور ایندھن پر تقریباً آٹھ لاکھ روپے ماہانہ صرف ہوتے ہیں--- ادارہ کے بجٹ کا بڑا حصہ طلبہ کی خوراک پر صرف ہوتا ہے، چناں چہ سبزی، گوشت، دال، گھی اور مصالحہ جات پر چھ لاکھ ساٹھ ہزار (660,000) روپے ماہانہ خرچ ہو رہے ہیں--- ناشتہ کے لیے دو سو پچاس من چاول (مالیتی پچیس لاکھ روپے) درکار ہوتے ہیں---متفرق اخراجات سمیت اکتیس لاکھ پچیس ہزار (3,12,5000) روپے ماہانہ اور تین کروڑ پچھتر لاکھ (37,500,000) روپے سالانہ مصارف ہیں---خصوصاً اس وقت طلبہ کی خوراک کے لیے تیرہ سو من گندم کی خریداری کا مرحلہ درپیش ہے، جس کے لیے فوری طور پر کم از کم اکیاون لاکھ (51,00,000) روپے درکار ہیں---

یہ بات بھی آپ کے علم میں ہو گی کہ طلبہ کی تعلیمی اور رہائشی ضروریات کے لیے تین منزلہ جدید عمارت کا سٹرکچر تیار ہو گیا ہے---مشرقی جانب کی مکمل عمارت، ضروری تیاری اور فنشنگ کے لیے تقریباً دو کروڑ (20,000,000) روپے مزید درکار ہیں---

اندریں حالات اخراجات میں دارالعلوم کو آپ ایسے مخلص، جاں نثار اور اہلِ درد کی توجہ اور دینی جذبہ رکھنے والے "مخیر" حضرات کے مالی تعاون کی بے حد ضرورت ہے---

حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز سے قدیمی تعلق وعقیدت اور علوم اسلامیہ سے محبت کے پیشِ نظر آپ کی اخلاقی ودینی ذمہ داری ہے کہ خصوصی دل چسپی سے اپنے مدرسہ کی بھرپور معاونت فرما کر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانانِ گرامی طلبائے کرام کی کفالت میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کریں---آپ کے عطیات (عشر، زکوٰۃ، نقدی، چاول، گندم، مکئی ودیگر غلہ جات اور صدقہ وخیرات) یقیناً آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے، ان شاء المولیٰ تعالیٰ

والسلام

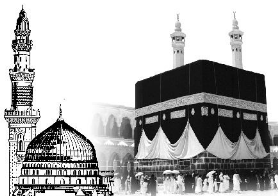
(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑا)
موبائل نمبر: 0300-4321088
صاحب زادہ مفتی محمد نعیم اللہ نوری 0345-7526622





قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ

هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ



ماہنامہ نورالحبیب بصیرپور

Regd No. PS | CPL - 25 ISSN 1993-4238

زیرِ ظلِّ عاطفت

فقیہِ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہٗ

بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ وماہنامہ نورالحبیب

ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۴۵ھ جلد نمبر 36

مئی 2024ء شمارہ نمبر 5

خصوصی چندہ سالانہ: 4000/= روپے

عمومی چندہ سالانہ: 800/= روپے

فی کاپی: 70/= روپے

نوٹ: جو مستقل قارئین ماہنامہ ''نورالحبیب'' بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ سالانہ چندہ کے ساتھ مبلغ/=120 روپے مزید بھیجیں، انہیں ہر ماہ رسالہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پوسٹ کردیا جائے گا---ان شاء المولیٰ تعالیٰ

ترسیلِ زر کا پتہ:



انجمن حزب الرحمٰن (شعبۂ تبلیغ) دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور ضلع اوکاڑا پوسٹ کوڈ 56011

E-Mail: noorulhabibmonthly@gmail.com



www.facebook.com/mohibnoori
www.facebook.com/hanfiafaridiah

ناشر محمد محب اللہ نوری نے گنج شکر پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر نورالحبیب بصیرپور سے شائع کیا

اس شمارے میں

منظومات



ادارہ کا مضمون نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔



حمدِ باری تعالیٰ

صلِّ علیٰ کا ذکر ہے حمد و ثنا کے بعد
''اک مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے نامِ خدا کے بعد''

ہو گا نصیب خلد میں روزِ جزا کے بعد
ملتا ہے جو سرور ، خدا کی رضا کے بعد

کرتا ہے التفات وہ لطفِ مزید سے
عرضی جو بھیجتا ہوں نئی ، ہر دعا کے بعد

سنتا ہے سب کی عرض ، سمیع و بصیر خود
گو سیلِ التجا ہے ہر اک التجا کے بعد

جائے گا اس کے پاس جو توبہ کیے بغیر
ہو گا بری عذاب سے ، لیکن سزا کے بعد

تواب ہے وہ ذات ، غفور و رحیم ہے
بخشش کی ہے امید اسی سے خطا کے بعد

کعبہ کے اردگرد فضائے مطاف میں
رحمت کا سلسلہ تھا کرم کی ہوا کے بعد

وقتِ اجل بھی حمد کی توفیق ہو مجھے
مدحِ نبی ہو لب پہ ثنائے خدا کے بعد

شہزادؔ کر وسیلۂ صدیق رضی اللہ عنہ اختیار
پہلے امام تو ہیں وہی ، مصطفیٰ ﷺ کے بعد

علامہ محمد شہزاد مجددی



نعت شریف

اُن ﷺ پر درود بھیجئے حمدِ خدا کے بعد
پڑھیے نبی ﷺ کی نعت، خدا کی ثنا کے بعد

یہ بات مانتے ہیں خلیل و کلیم علیہما السلام بھی
خیر الوریٰ ﷺ کی شان ہے ذوالکبریا کے بعد

تاجِ سرِ وظائف و اذکار ہے درود
باقی ہر ایک وِرد ہے صلِ علیٰ کے بعد

بعد از خدا بزرگ ہیں وہ قصہ مختصر
''اک مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے نام خدا کے بعد''

کچھ بھی نہ تھا خدا کے سوا کائنات میں
عالم تمام خلق ہوا مصطفیٰ ﷺ کے بعد

سرکار ﷺ سے ہیں عالمِ امکاں کی رونقیں
ہر واقعہ ہوا ہے شہِ دوسرا ﷺ کے بعد

ہمسائیگی ملے شہ دار السلام ﷺ کی
کیا اور مانگتا میں بھلا اس دعا کے بعد

سرشار کر دیا اسے رحمت پناہ ﷺ نے
پہنچا درِ حضور پہ جو بھی خطا کے بعد

شہزاؔد کو بھی ہے اسی چادر کی جستجو
پائی تھی کعب رضی اللہ عنہ نے جو حصولِ رضا کے بعد

علامہ محمد شہزاد مجددی



حج کس پر فرض ہے؟

(فرضیتِ حج سے متعلق بعض مسائل)

پروفیسر خلیل احمد نوری

ارکانِ اسلام میں حج، بعض خصوصیات، فضائل اور فوائد و برکات کی وجہ سے امتیازی شان کا رکن اور جامع عبادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے بعد حجِ مبرور کو افضل ترین عمل قرار دیا ہے[۱] حج، گناہوں کی مغفرت کا اہم ترین ذریعہ ہے، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ عملِ حج سے گناہوں کی مغفرت کی جتنی بشارتیں دی گئی ہیں، اتنی کسی اور عمل میں نہیں دی گئیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اسلام، زمانۂ کفر کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، ہجرت پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے“---[۲]

فرض ہو جانے کے باوجود حج نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی کا باعث اور کفر کی راہ اختیار کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ o---[۳]

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے، جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اور جس نے انکار کیا تو بے شک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے''---

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''جسے راستے کے سفر کا خرچ اور سواری کی وسعت حاصل ہو، پھر اس نے حج نہ کیا تو کوئی حرج نہیں کہ وہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے''---[۴]

اہم سوال یہ ہے کہ کیا ہر شخص پر حج فرض ہوتا ہے یا بعض لوگوں کو اس سے استثناء حاصل ہے۔ قرآن کریم کی درج بالا آیتِ کریمہ میں استطاعت کی شرط بیان ہوئی ہے۔ استطاعتِ حج کی وضاحت حدیث پاک میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اس آیتِ کریمہ میں راستے کی استطاعت سے کیا مراد ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''جس کے پاس راستے کا خرچ ہو اور اسے سواری میسر ہو''---[۵]

کیا جس شخص کو ہر سال یہ استطاعت حاصل ہو، اس پر زندگی کے ہر سال میں حج فرض ہوتا ہے؟ کیونکہ حج کا مہینہ تو ہر سال آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

أَیُّهَا النَّاسُ، قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا---

''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس تم حج کرو''---

ایک شخص نے عرض کیا:

أَكُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟--- (یارسول اللہ! کیا ہر سال؟)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش رہے، حتیٰ کہ اس نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ---[٦]

''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت

نہ رکھتے‘‘---

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہما نے سوال کرتے ہوئے عرض کیا:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ! اَلْحَجُّ فِیْ کُلِّ سَنَۃٍ أَوْ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً---

’’یارسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے یا زندگی میں ایک بار؟‘‘---

فرمایا:

بَلْ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً، فَمَنْ زَادَ فَھُوَ تَطَوُّعٌ---[۷]

’’بلکہ ایک مرتبہ فرض ہے، جس نے زیادہ دفعہ کیا تو وہ نفلی حج ہے‘‘---

قرآن وسنت کی ان ہدایات کی روشنی میں حج پر قدرت واستطاعت کی تفصیل یہ ہے۔ یہی فرضیتِ حج کی شرائط کہلاتی ہیں:

❶ ہر مسلمان عاقل، بالغ، مرد وعورت پر حج فرض ہے۔ غیر مسلم، دیوانے اور نابالغ افراد پر حج فرض نہیں ہوتا۔ اسلام سے پہلے، دیوانگی کی حالت اور نابالغی میں کیا ہوا حج شمار نہیں ہوتا۔

❷ اوپر کی تینوں شرائط کے ساتھ اصلی حاجات یعنی حقیقی ضرورت سے زائد اتنا مال میسر ہو کہ جس سے وہ بیت اللہ شریف تک جانے، آنے اور وہاں کھانے پینے، ہوٹل، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قیام وغیرہ کی فیس ادا کر سکے۔ حج سے واپس آنے تک ان افراد کے مصارف کے لیے گھر میں رقم موجود ہونا ضروری ہے، جن کا نفقہ شریعت کی رو سے انسان کے ذمے واجب ہے۔

❸ جسمانی صحت، یعنی کوئی ایسا مرض نہ ہو کہ جس کی وجہ سے سفر کرنا ممکن نہ ہو۔ پس لنگڑے، اپاہج، نابینا اور بہت بوڑھے شخص پر حج فرض نہیں۔ البتہ دیگر شرائط پائی جائیں تو وہ حجِ بدل کرائے۔

❹ راستے کا امن، یعنی اگر راستے میں جنگ چھڑی ہوئی ہو یا کسی اور حوالے سے جان یا مال ضائع ہونے کا خطرہ ہو، تو حج واجب نہیں۔

5 خواتین کے لیے مزید شرط یہ ہے کہ عورت کے ہمراہ سفر میں اس کا شوہر یا کوئی محرم رشتے دار موجود ہو، جو عاقل، بالغ اور بااعتماد ہو۔ محرم کے طور پر ساتھ جانے والا شخص اگر خود سفر کے اخراجات برداشت کرے تو ٹھیک، ورنہ سفری اخراجات خاتون کی ذمہ داری ہوگی۔ یہ شرط بھی ہے کہ خاتون حالتِ عدت میں نہ ہو۔ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی۔

ان شرائط سے متعلق بعض مسائل یہ ہیں:

مال تجارت کی وجہ سے صاحب استطاعت ہونا

جس شخص کے پاس اتنا سامانِ تجارت ہے کہ جس سے اس کے اہل وعیال کی گزر بسر ہوتی ہو، وہ اس مال کی وجہ سے صاحبِ استطاعت شمار نہیں ہوگا اور اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ اسے بیچ کر حج کرے۔ البتہ، اگر اس میں سے اتنا سامان فروخت کردے کہ بقیہ مالِ تجارت کی آمدنی اس کے گھریلو اخراجات کے لیے کافی ہو، تو وہ صاحبِ استطاعت شمار ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ وہ حج کے ضروری اخراجات کے مطابق سامان بیچ کر حج کرے۔ مثلاً کسی دکان دار کے پاس دس لاکھ روپے کا سامانِ تجارت ہے اور حج کے کل اخراجات بھی دس لاکھ روپے ہیں، اس پر اس سامان کی وجہ سے حج فرض نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ سامان اس کے اہل وعیال کی روزی میں مصروف ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس اس سے زائد مالِ تجارت ہو اور دس لاکھ کی رقم نکال لینے پر بقیہ مال سے اس کے اہل وعیال کی متوسط طور پر گزر بسر ہوسکتی ہو تو اس شخص پر حج فرض ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کسی کا ذریعۂ معاش صرف تجارت ہو، اگر اس کے علاوہ بھی ذریعۂ روزگار ہو اور اس سے گھر والوں کا متوسط طور پر گزارا ہوسکتا ہو، تو اس مالِ تجارت کی وجہ سے وہ صاحبِ استطاعت شمار ہوگا۔

زرعی زمین یا مویشیوں کی وجہ سے حج کی فرضیت

جس شخص کے پاس نقد مال تو نہیں مگر اس کے پاس زرعی زمین ہے، تو کیا وہ اس زمین کی وجہ سے صاحبِ استطاعت شمار ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ زمین بیچ کر حج کرے؟ اگر زمین کا کچھ حصہ جو حج کے اخراجات کے لیے کافی ہو، بیچنے کے بعد اتنی زمین بچ رہے کہ جس سے

اس کے اہل وعیال کی معتدل انداز میں گزر بسر ہو سکتی ہو تو وہ صاحبِ استطاعت شمار ہوگا، لیکن اگر حج کے اخراجات کے برابر زمین فروخت کرنے سے اس کے گھر والوں کا متوسط طریقے سے گزارا نہیں ہوتا، تو وہ صاحبِ استطاعت نہیں ہے۔ یہی حکم مویشیوں کے مالک کا ہے کہ اگر گھر والوں کی روزی روٹی کا انحصار ان مویشیوں پر ہے اور حج اخراجات کے مساوی مویشی بیچ کر بھی اتنے مویشی موجود رہتے ہیں جن سے گھریلو اخراجات با آسانی پورے ہو سکیں تو اس پر حج فرض ہے، ورنہ نہیں۔

ان دونوں صورتوں میں یہ ملحوظ رکھنا ہوگا کہ زمین اور مویشیوں کے علاوہ کوئی اور ذریعۂ آمدن ہے؟ اگر کسی اور ذریعہ آمدن سے متوسط انداز میں گھریلو اخراجات پورے ہوتے ہوں تو زمین یا مویشیوں کی وجہ سے وہ لازمی طور پر صاحبِ استطاعت شمار ہوگا، بشرطیکہ زمین یا مویشیوں کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم حج اخراجات پورے کرتی ہو۔

حج ڈیوٹی والوں کے حج کا حکم

وزارتِ حج، پاکستانی حجاج کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے، یوں ہی پرائیویٹ حج کمپنیاں اپنے حجاج کی خدمت اور ضروری انتظام کے لیے متعدد افراد کو مکہ مکرمہ میں حج ڈیوٹی پر بھیجتی ہیں۔ یہ افراد، حکومت یا کمپنیوں کے خرچ پر سعودیہ جاتے ہیں اور اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے کے ساتھ حج بھی کرتے ہیں، تو کیا ان کے ذمے سے حج کی فرضیت ساقط ہوگئی اور کیا انہیں اس حج کا ثواب ملے گا؟ اوپر بیان کی گئی آیتِ کریمہ کے مفہوم سے واضح ہے کہ بیت اللہ شریف تک پہنچنا حج کی فرضیت کا سبب ہے، لہٰذا سرکاری خرچ پر حج کرنے والوں کے ذمے سے بھی حج کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے اور صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود اپنی رقم سے دوبارہ حج لازم نہیں ہوتا۔ البتہ انہیں مطلق حج کی نیت کرنی چاہیے۔ نفلی حج کی نیت کی تو وہ نفل شمار ہوگا اور فرض حج ذمے رہے گا۔ یہ حکم حج ڈیوٹی پر جانے والوں کا ہے۔ جن افراد کو حکومت، کسی سرکاری ڈیوٹی کے بغیر حکومتی خزانے سے حج کو بھیجے، تو ان کا حج ہو جائے گا، مگر بھیجنے والے اور جانے والے دونوں گناہ گار ہوں گے۔ حکومتی خزانہ عوام کی ملکیت اور سرکاری عہدے دار یا صاحبِ اقتدار کی حیثیت امین کی ہے۔ حج کے لیے فنڈز کا اجراان کی صواب دید نہیں ہے۔ یہ اختیار سے تجاوز ہے۔

ایامِ حج میں تجارت اور مزدوری پیشہ افراد کا حج

جو لوگ حج کے دوران محنت مزدوری یا کاروبار کرتے ہیں، جیسے بسوں اور ٹیکسیوں وغیرہ کے ڈرائیور، حلق وقصر کرنے والے حجام وغیرہ۔ یوں ہی کھانے پینے کی اشیاء بیچنے والے افراد، ان میں سے جو حالتِ احرام میں مناسکِ حج ادا کرلیں، ان کا حج شمار ہوجائے گا اور ان کے ذمے سے فرض حج ساقط ہوجائے گا۔

ابو امامہ تیمی بیان کرتے ہیں کہ میں حج کے سفر میں کرائے پر سواری چلایا کرتا تھا اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ تمہارا کوئی حج نہیں ہے۔ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملا اور عرض کی کہ اے ابو عبدالرحمٰن! میں سفرِ حج میں کرائے پر سواری چلانے کا کام کرتا ہوں اور کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ میرا کوئی حج نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ کیا تم تلبیہ نہیں کہتے؟ کیا تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں حاضری نہیں دے کر آتے اور جمرات پر کنکریاں نہیں مارتے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تمہارا حج ہوجاتا ہے۔ بے شک ایک شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہی سوال کیا، جو تم نے مجھ سے کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ---[البقرۃ:۱۹۸]

’’اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں‘‘---

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شخص کو بلا کر یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی اور فرمایا:

لَکَ حَجٌّ--- ’’تیرے لیے حج ہے‘‘---[۸]

کمپنی کے خرچ سے حج کرنا

بہت سی کمپنیاں اپنے ملازموں میں سے ایک دو یا چند افراد کو قرعہ اندازی کے ذریعے سالانہ حج پر بھجواتی ہیں۔ بعض کمپنیاں یہ رقم ان کی تنخواہ سے ماہانہ تھوڑا تھوڑا کر کے کاٹتی رہتی ہیں اور بعض اپنی طرف سے یہ سہولت مہیا کرتی ہیں۔ اس طرح کمپنیوں کے تعاون سے کیا گیا حج ادا ہوجاتا ہے۔ خواہ ایسے افراد پہلے سے صاحبِ استطاعت ہوں یا حج سے پہلے استطاعت نہ ہو، بعد میں استطاعت کی شرط پوری ہوجائے، ان پر اپنی رقم سے دوبارہ حج لازم نہیں ہوگا۔

زبردستی کٹوتی کر کے حج کے لیے قرعہ نکالنا

درج بالا صورت میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ملازم کی مرضی سے اس کی تنخواہ سے کٹوتی کی جائے، رضامندی کے بغیر کٹوتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کارخانے یا کسی کمپنی کی یونین کے لوگ ملازموں کی رضامندی سے ان سے چندہ لے کر قرعہ اندازی کر کے حج پر بھیجیں تو جائز ہے، لیکن رضامندی کے بغیر محض معاشرتی دباؤ سے حج کے لیے چندہ لینا جائز نہیں۔ تاہم ان صورتوں میں بھی جو حج کا فریضہ ادا کرلیں، وہ فرض سے سبک دوش ہو جائیں گے اور ان کے ذمے سے حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ چندہ لے کر قرعہ اندازی کرنے میں یہ خرابی بھی ہے کہ محروم رہنے والوں کا حق غصب ہوتا ہے۔

وزٹ ویزہ یا عمرہ والوں کا خلاف قانون حج کے لیے رکنا

بعض لوگ حج کی استطاعت نہیں رکھتے لیکن عمرہ کی استطاعت رکھتے ہیں یا حج کی استطاعت کے باوجود عمرہ ویزہ لے کر جاتے ہیں اور ویزہ کی مدت ختم ہونے پر حج کے لیے چوری چھپے سعودیہ میں رک جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ خلافِ قانون اور نامناسب ہے کہ ریاستی قوانین کا احترام لازم ہے۔ تاہم، اس طرح کوئی شخص رک کر حج کرلے تو اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ یہی حکم فیملی وزٹ ویزہ پر جا کر خلافِ قانون حج کرنے والوں کا ہے۔

صاحبِ استطاعت شخص پہلے والدین کو بھیجے یا خود حج کرے؟

جب کسی شخص میں استطاعت کی شرائط پائی جائیں تو اس پر حج لازم ہو جاتا ہے۔ اسے چاہیے کہ جلد یہ فرض ادا کرے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ والدین کا حق ہے کہ پہلے انہیں حج پر بھیجا جائے، ورنہ اولاد کا حج قبول نہیں ہوگا۔ یہ شرعی حکم نہیں ہے۔ اگر والدین استطاعت رکھتے ہیں تو ان پر بھی حج فرض ہے۔ اس صورت میں اگر والدین کو ساتھ لے جانے کی وسعت ہو تو چاہیے کہ انہیں ہمراہ لے جائے، یہ بڑی سعادت کی بات ہوگی۔ لیکن والدین کو حج کرانا اولاد پر لازم نہیں ہے۔ صاحبِ استطاعت شخص، والدین کو حج پر بھیج دے اور خود نہ جائے تو اس پر اپنا فرض بدستور برقرار رہے گا اور ساقط نہیں ہوگا۔

اگر والدین وفات پا چکے ہوں تو اپنے حج کے بعد ان کی طرف سے حج کرے، تو اس کا

بہت اجر ہے۔ خصوصاً جب کہ انہوں نے حج نہ کیا ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا تو اس کا حج ان کے لیے کفایت کرے گا اور خود اسے بھی دس (۱۰) حج کے برابر ثواب ملے گا“---[۹]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

”اگر کوئی اپنے والدین کی طرف سے حج کرے یا ان کا کوئی قرض ادا کرے تو قیامت کے دن نیکی کرنے والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا“---[۱۰]

بہتر یہ ہے کہ پہلے والدہ کی طرف سے حج کرے، کیونکہ حسنِ سلوک میں اسے باپ پر اوّلیت حاصل ہے۔ یاد رہے کہ دونوں کی طرف سے ایک حج، دونوں کو کفایت نہیں کرتا، ہاں! ایک نفلی حج کا ثواب دونوں کو ایصال کیا جا سکتا ہے۔

اولاد کی شادیوں کے باعث حج مؤخر کرنا

ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک بچوں کی شادیوں کی ذمہ داری سے سبک دوش نہ ہو لیں، حج پر جانا مناسب نہیں۔ گویا ان کے نزدیک بچوں کی شادی فریضۂ حج پر مقدم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بالغ اولاد کی شادی والدین کی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے اور اس کے متعلق اسلامی تعلیمات میں سخت تاکید کی گئی ہے، لیکن اولاد کی شادی کی وجہ سے حج مؤخر کرنے کی کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ حدیث پاک میں اَلزَّاد وَالرَّاحلة یعنی راستے کے خرچ اور سواری میسر آنے کو حج کی فرضیت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اولاد کے حوالے سے جو کچھ اہلِ فقہ نے کہا ہے، وہ یہ ہے کہ حج سے واپسی تک ان کا خرچ ادا کر کے جائے۔ شادی کا خرچ بیان نہیں کیا۔ لہٰذا شادی کی ذمہ داریوں سے فراغت کو حج مؤخر کرنے کا سبب سمجھنا جائز نہیں ہے۔

اس مسئلے کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو، اس نے حج پر شادی کو مقدم سمجھتے ہوئے جمع شدہ مال خرچ کر دیا اور بعد میں مال نہ ہونے کی وجہ سے حج نہ کر سکا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی، تو ترکِ حج کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور اس سے محشر میں مؤاخذہ ہوگا۔

اسی لیے حدیث پاک میں ہے:

مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ---[۱۱]

''جو حج کا ارادہ رکھتا ہو، وہ حج کرنے میں جلدی کرے''---

کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں مالی استطاعت نہ رہے یا کچھ اور مجبوری آڑے آجائے۔

حج پہلے یا مکان کی تعمیر؟

اگر کسی شخص کے پاس حج کے لیے آمدورفت اور دیگر ضروری امور کا خرچ موجود ہو، نیز اہل وعیال کے لیے واپسی تک کا نفقہ ادا کرسکتا ہو، اس دوران حج کی درخواستیں طلب کرلی جائیں یا حج کے ایام آجائیں، تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ شخص مکان بنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ مکان کی خاطر حج مؤخر کردے۔ کیونکہ استطاعت ہونے پر فوراً حج فرض ہوجاتا ہے۔ لہٰذا مکان کی تعمیر کی خاطر حج مؤخر کرنے والا شخص گناہ گار ہوگا۔ اگر کسی شخص کے پاس ایسے وقت میں مال آئے جب کہ ابھی حج درخواستیں طلب نہیں کی گئیں یا ابھی ایام حج دور ہوں تو وہ جس کام کے لیے چاہے مال خرچ کرسکتا ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں مکان خریدنے یا بنانے کے لیے خرچ کرے تو گناہ گار نہیں ہوگا، کیونکہ وجوبِ حج کا یہ وقت نہیں۔

ملازموں کا سعودی حکومت سے چوری چھپے حج کرنا

سعودیہ میں ملازمت کرنے والوں کو حج کے سلسلے میں بعض ضابطوں کا پابند کیا جاتا ہے اور انہیں ان ضابطوں کو پورا کیے بغیر حج کی اجازت نہیں دی جاتی۔ بعض افراد ان قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چوری چھپے حج پر چلے جاتے ہیں۔ اصولی بات یہ ہے کہ کسی حکومت کو حج کرنے پر پابندی لگانے کا حق نہیں ہے۔ تاہم اس کے باوجود جو شخص بھی احرام کی حالت میں حج کے مناسک ادا کرلے، اس کا حج ادا ہوجائے گا۔ ایسے افراد کو چاہیے کہ کمپنیوں اور حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کیے بغیر حج پر جائیں، تاکہ قانونی گرفت سے محفوظ رہیں، ورنہ ملازمت ختم ہونے کا خطرہ ہوگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دورانِ حج وہاں ٹھہرنے کا مناسب انتظام ہو۔ راستوں پر قیام کرنا، حجاج کو ایذا پہنچانا ہے اور ایذاءِ مسلم پر سخت تنبیہ آئی ہے۔ ایسا حج گناہ سے آلودہ ہوتا ہے اور بطورِ خاص، قرآنِ کریم میں حج میں گناہ سے بچنے کی سخت تاکید کی آئی ہے۔

استطاعت نہ رکھنے والے کو حج کرا دیا جائے تو؟

اگر کوئی شخص کسی غریب آدمی کو حج پر ساتھ لے جائے اور وہ حج کر لے، خواہ اپنی خدمت کی غرض سے لے جائے، تو ایسے آدمی کا حج ہو جائے گا، اسے ثواب بھی ملے گا اور حج کا فرض اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے غریب آدمی کو حج کی ضرورت کے مطابق مال دے دیا اور اس نے حج کر لیا تو حج ادا ہو گیا۔

اگر اس غریب آدمی نے حج کے لیے دی گئی رقم کسی اور مقصد کے لیے استعمال کر لی اور حج نہ کیا، تو گناہ گار ہو گا، کیونکہ ایام حج میں رقم ملتے ہی اس پر حج فرض ہو گیا۔ اب اس رقم کو کسی اور مقصد کے لیے خرچ کرنا جائز نہیں تھا۔ اسی حالت میں وفات ہوئی تو آخرت میں ترکِ حج کی وجہ سے مؤاخذہ ہو گا۔

زکوٰۃ نہ دینے والے کا حج

جو شخص صاحبِ نصاب ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو، لیکن زکوٰۃ نہ دے تو کیا اس شخص کا حج ہو جائے گا؟ ایسا آدمی زکوٰۃ نہ دینے سے یقینی طور پر گناہ گار ہو گا، لیکن ایک فرض کا تارک، دوسرا فرض ادا کرے تو اس کی طرف سے یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ شخص پہلے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے، اس کے بعد حج پر اٹھنے والے اخراجات کے مطابق مال بچ جائے تو حج کرے، ورنہ اس پر حج فرض ہی نہ ہو گا۔

قرض لے کر حج کرنا

جس شخص نے حج کی شرائط پوری ہونے اور استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کی، پھر کسی وجہ سے اس کا مال ضائع ہو گیا، اس شخص کو چاہیے کہ قرض لے کر حج کرے۔ بشرطے کہ ظاہری حالات و اسباب کی وجہ سے غالب گمان یہ ہو کہ وہ حال میں نہ سہی، مستقبل میں کوشش کر کے قرض ادا کرنے پر قادر ہو جائے گا۔ نیز قرض ادا کرنے کی نیت بھی ہو۔ اس صورت میں اگر قرض نہ ادا کر سکا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس میں مؤاخذہ نہ ہو گا اور اگر قرض واپس کرنے کے ظاہری اسباب نہ ہوں تو مناسب امر یہ ہے کہ قرض نہ لے، کیوں کہ حقوق اللہ کی نسبت حقوق العباد کا معاملہ زیادہ حساس اور اہم ہے اور باعثِ فساد بھی۔ [۱۲]

مقروض کا حج؟

درج بالا صورت، حج کی فرضیت سے سبک دوش ہونے کے لیے نیا قرض لینے کی ہے، لیکن جب کوئی شخص پہلے سے مقروض ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے قرض ادا کرے۔ اس کے بعد حج کے اخراجات کے مطابق مال بچ رہے تو حج کو جائے۔ گنجائش ہوتے ہوئے قرض کی رقم واپس نہ کرنا، سنگین معاملہ ہے۔ اگر قرض خواہ، قرض کی واپسی کا مطالبہ مؤخر کرنے پر رضا مند ہو اور اس کی طرف سے حج پر جانے کی اجازت ہو تو حج پر جانا جائز ہے۔ اجازت کے بغیر جانا مکروہ ہے۔ تاہم ادائے قرض سے پہلے حج کر لیا تو حج کی فرضیت سے سبک دوش ہو جائے گا۔ اسے چاہیے کہ حج پر جانے سے پہلے قرض کی واپسی کے متعلق وصیت لکھ دے کہ اگر اس دوران اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کے ترکے میں سے پہلے قرض ادا کیا جائے۔ اگر ترکے میں سے نہ ادا ہو، تو ورثاء اپنی طرف سے ادا کر دیں۔

مقروض کا نفلی حج یا عمرہ کے لیے جانا مناسب امر نہیں ہے۔ یوں ہی جس پر کسی اور حوالے سے لوگوں کی رقم ذمے ہو، ایسے شخص کو چاہیے کہ پہلے لوگوں کے حقوق ادا کرے، پھر نفلی حج یا عمرہ کرے۔ حقوق العباد کا معاملہ سنگین اور قابلِ مؤاخذہ ہے، جب کہ نفلی حج یا عمرہ حصولِ ثواب کے لیے ہے۔ مؤاخذے سے بچنا حصولِ ثواب پر مقدم ہے۔

بلا اجازت ادارے کی گاڑی پر حج و عمرہ کے لیے جانا

سعودیہ میں یا گرد و پیش کے قریبی ممالک میں رہنے والے گاڑیوں میں حج کے لیے آتے ہیں۔ ان کے لیے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ سفر کے استعمال کی گاڑی اپنی ملکیت میں ہو یا کرائے پر حاصل کی گئی ہو۔ کسی ادارے کے ملازم کو یہ جائز نہیں کہ وہ کمپنی کی گاڑی بلا اجازت استعمال کرے۔ یہ حرام مال کے ذریعے حج کرنے کی طرح ہے۔ کمپنی کے کسی آفیسر کا اجازت دینا، اجازت نہیں کہلاتا، کیونکہ وہ اس کا مالک یا مجاز نہیں ہے۔ اگر کمپنی کا مالک خود ملازموں کو اجازت دے تو جائز ہے۔ اگر بلا اجازت گاڑی لے کر حج کیا، تو گناہ گار ہونے کے باوجود حج کی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جائے گا، مگر بلا اجازت گاڑی کے استعمال کا گناہ لازم ہوگا۔

حرام مال سے حج کرنے کا حکم

حرام مال سے حج کرنا جائز نہیں ہے۔حدیث پاک میں ہے:

’’اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیزوں کو ہی قبول فرماتا ہے‘‘---[۱۳]

لیکن اگر کوئی شخص حرام مال خرچ کر کے فرضی یا نفلی حج کر لے تو گناہ گار ہونے کے باوجود اس کا حج صحیح کہلائے گا اور اس پر حج کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔یہ اسی طرح ہے کہ اگر کوئی شخص غصب کی ہوئی زمین میں نماز پڑھ لے تو اس کے ذمے سے نماز ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ گناہ گار ہونا، عبادت کے درست ہونے کے منافی نہیں ہے۔پس حرام مال سے حج کرنے والے کو ثواب تو نہیں ملے گا مگر حج نہ کرنے پر آخرت میں مؤاخذہ بھی نہیں ہوگا۔[۱۴]

حوالہ جات

۱......صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان،حدیث:۲۶

۲......صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ،حدیث:۱۹۲

۳...... آل عمرٰن،۳:۹۷

۴......سنن ترمذی، ابواب الحج، باب ما جاء فی التغلیظ،حدیث:۸۱۲

۵...... المستدرك للحاکم، کتاب الصوم، اول کتاب المناسك،حدیث:۱۶۱۳

۶......صحیح مسلم، کتاب الحج، بَابُ فَرْضِ الْحَجِّ مَرَّةً فِي الْعُمُرِ،حدیث:۴۱۲

۷......سنن ابوداؤد، کتاب المناسك، باب فرض الحج،حدیث:۱۷۲۱

۸......ابوداؤد، کتاب المناسك، باب الکریّ،حدیث:۱۷۳۳

۹...... سنن الدار قطنی، کتاب الحج، باب المواقیت،حدیث:۲۶۱۰

۱۰......مرجع سابق،حدیث:۲۶۰۸

۱۱......سنن ابن ماجہ، کتاب المناسك، باب الخروج الی الحج،حدیث:۲۸۸۳

۱۲...... رد المحتار،ج۲،ص۱۵۳

۱۳......صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، بَابُ قَبُولِ الصَّدَقَةِ،حدیث:۶۵

۱۴...... البحر الرائق،ج۲،ص۳۰۹/ رد المحتار،ج۲،ص۱۵۲



مدینہ طیبہ کی نورانی تجلیاں

حضرت صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک کا ذرّہ ذرّہ مشرقستانِ انوار ہے۔ بے شمار مقبولانِ بارگاہ، کروڑوں اولیاء اللہ اس کے ایک ایک ذرّہ پر فدا ہونے کے لیے عمریں آرزو میں گزار گئے اور زندگی کا لمحہ لمحہ اس بلدِ پاک کی تمنائے دیدار میں صرف فرما گئے۔ جدائی اور فراق نے جو بے چینی اور بے تابی ان میں پیدا کی وہ ان کی ہر سانس کے ساتھ آنے والی آہِ سرد سے ظاہر تھی۔ لمحہ لمحہ مدینہ پاک کی یاد سے آباد تھا۔ زمانۂ صحابہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک، ہر ملک و ہر دیار، ان عشاق سے بھرا ہوا ہے، جو دیارِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں محو ہیں۔

مخصوص حضرات کا کیا ذکر کیا جائے: جامی اور محدثِ دہلوی کہاں؟ اس سرزمینِ طاہرہ کے عشاق میں کروڑوں جامی اور محدثِ دہلوی ہیں، جن کے کلام سے آج تک عشق و محبت کی خوشبوئیں آ رہی ہیں اور انھوں نے عالم کو مہکا دیا ہے۔ بہت سے وہ دل سوختہ بھی ہیں جن کی نظر درِ دل دار کی طرف لگی ہوئی ہے، دل ہوائے شوق سے کھنچا جا رہا ہے۔ صبر و قرار

عنقا ہے، ان سے پوچھیے کہ مدینہ کی یاد میں کیا مزہ ہے؟ اور کس حبیبِ دل نواز کے عشق و محبت نے تمھیں وارفتہ بنادیا ہے؟ اس مبحث پر اگر بسط کیا جائے اور عشاق کی زبان سے دیارِ محبوب کا تذکرہ سنایا جائے تو لذیذ ہوگا، مزہ دے گا، سوزِ نہاں اپنا اثر دکھائے گا، سچے جذبات دلوں میں تاثیر کریں گے۔ یہ ضرور، مگر میں چاہتا ہوں کہ مدینہ طیبہ کا تذکرہ، عالم کے شہنشاہ، کونین کے سرور، دارین کے تاج ور، دلوں کے مرغوب، جانوں کے مطلوب، اللہ کے محبوب، حضور پرنور، سیدِ انبیاء ومرسلین صلوۃ اللہ علیہ و سلامہ کی زبانِ حق ترجمان سے سناؤں اور احادیثِ کریمہ کی طرف دستِ طلب بڑھاؤں۔ یہ تو ہر یگانہ وبیگانہ جانتا ہے کہ مدینہ پاک کی عزت وعظمت، کرامت وشرافت، حرمت وفضیلت تمام اقطاع وبقاع سے زیادہ، ہر شہر و دیار سے بڑھ کر، کسی خطہ کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔

خطہ ہائے ارض اور قطعہ ہائے خاک تو کیا اس خاکِ پاک فخر افلاک سے ہم سری کا دعویٰ کرسکیں، آرام گاہِ حبیبِ خدا، ارض وسما تو کجا عرشِ معلیٰ سے مرتبہ میں بلند وبالا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَنَظَرَ إِلٰى جُدُرَاتِ الْمَدِينَةِ، أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ، وَإِنْ كَانَ عَلٰى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا، مِنْ حُبِّهَا---[۱]

''حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ کی دیواریں نظر پڑتیں تو اپنی سواری کو تیز چلاتے اور اگر کسی اور جانور پر تشریف فرما ہوتے تو مدینہ کی محبت میں اس کو تیز کرتے''---

بخاری کی یہ حدیث مدینہ طیبہ کی عظیم الشان فضیلت کا اظہار کرتی ہے کہ سید انبیاء محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شہرِ پاک کے ساتھ وہ محبت تھی کہ اس کے در و دیوار پر نظر پڑتے ہی وہ محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری تیز کردیتے تھے۔ مسلمانوں کی جان اس در و دیوار پر قربان۔

انھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دوسری حدیث مروی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ، فَقَالَ: (هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا---[۲]

’’حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے جب اُحد پہاڑ آیا، تو فرمایا: یہ پہاڑ ہمیں محبوب رکھتا ہے، ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ یارب! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم کیا اور میں اس جگہ کو حرم کرتا ہوں، جو اطرافِ مدینہ کے درمیان ہے‘‘---

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدینہ طیبہ اور اس کے دشت وجبل کے ساتھ محبت تھی۔ امام احمد وترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلْیَمُتْ بِھَا، فَإِنِّیْ أَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِھَا---[۳]

’’جس سے ہو سکے کہ مدینہ میں مرے، پس چاہیے کہ وہ مدینہ میں مرے۔ میں یقیناً اس کی شفاعت کروں گا جو یہاں مرے‘‘---

یہی تو تمنائیں عشاق کو جانبازی نہیں، جاں نثاری کے لیے مدینہ طیبہ لے جاتی ہیں اور جو نہیں پہنچ سکتے ہیں، اسی حسرت میں دم توڑتے رہتے ہیں۔ اے کاش! میرے اس تن ناقص کو وہاں کی خاکِ پاک شرفِ جاں نثاری بخشے اور دولتِ شفاعت سے بہرہ یاب ہوں۔ آمین

میرے مدفن کو ملی ہے کوئے دلبر کی زمیں
آ گئی قبضہ میں اقلیم مقدر کی زمیں

بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث ہے:

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ---[۴]

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

یارب! مدینہ میں مکہ سے دونی برکت عطا فرما‘‘---

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی:

عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَ مَنْ سَکَنَ الْمَدِیْنَۃَ، وَ صَبَرَ عَلٰی بَلَائِھَا، کُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا وَّ شَفِیْعًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَ مَنْ مَّاتَ فِیْ أَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَہُ اللّٰہُ مِنَ الْآمِنِیْنَ

یَوْمَ الْقِیَامَۃِ---[۵]

''حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے قصد کر کے میری زیارت کی وہ میرے جوارِ رحمت اور میری محافظت میں ہوگا روزِ قیامت اور جس شخص نے مدینہ پاک میں سکونت کی اور وہاں کی تکالیف پر صبر کیا، میں روزِ قیامت اس کا شہید و شفیع ہوں گا اور جو حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مرا، اللہ تعالیٰ اس کو آمنین میں محشور فرمائے گا''---

سفر مدینہ کا مقصد--- زیارت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس حدیث میں زائرانی کے ساتھ متعمدا کی تصریح صاف بتاتی ہے کہ اس بشارت کا مستحق وہ سعادت مند مخلص ہے، جس کا مقصود سفر مدینہ سے زیارتِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو، مگر وہابیہ جنھیں مخالفتِ حدیث کی عادت ہوگئی ہے، اس پر مصر ہیں کہ مدینہ کا عازم، زیارت کی نیت نہ کرے۔ نیز اس حدیث میں یہ بھی بشارت ہے کہ روزِ قیامت زائرانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے جوارِ رحمت و حفاظت میں پناہ ملے گی، مگر وہابیہ نجدیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حفظ و پناہ سے گھبراتے ہیں۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دُور ہو

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، جنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

حضرت امام علامہ علی نور الدین ابو الحسن بن عبد اللہ سمہودی قدس سرہ خلاصۃ الوفا میں ابنِ عساکر سے بہ سندِ جید بہ روایتِ ابو درداء رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں:

إِنَّ بِلَالًا رَأَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ هُوَ يَقُوْلُ لَهٗ مَا هٰذِهِ الْجَفْوَةُ يَا بِلَالُ! أَمَا آنَ لَكَ أَنْ تَزُوْرَنِيْ فَانْتَبَهَ حَزِيْنًا خَائِفًا فَرَكِبَ رَاحِلَتَهٗ وَ قَصَدَ الْمَدِيْنَةَ فَأَتٰى قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَجَعَلَ يَبْكِيْ عِنْدَهٗ وَ يُمَرِّغُ وَجْهَهٗ عَلَيْهِ فَأَقْبَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ فَجَعَلَ يَضُمُّهُمَا وَ يُقَبِّلُهُمَا فَقَالَا يَا بِلَالُ! نَشْتَهِيْ نَسْمَعُ أَذَانَكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُؤَذِّنُهٗ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِي الْمَسْجِدِ فَعَلَا سَطْحَ الْمَسْجِدِ وَ وَقَفَ مَوْقِفَهُ الَّذِيْ كَانَ يَقِفُ فِيْهِ فَلَمَّا قَالَ اَللّٰهُ

أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ، اِرْتَجَّتِ الْمَدِیْنَۃُ فَلَمَّا قَالَ أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ ازْدَادَتْ رَجَّتُھَا فَلَمَّا قَالَ أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَرَجَتِ الْعَوَاتِقُ مِنْ خُدُوْرِھِنَّ---[۶]

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں: اے بلال! یہ کیا ستم ہے؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کے لیے حاضر ہو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ چونک پڑے اور خائف و غم ناک بیدار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ روضۂ طاہرہ پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے رونے لگے اور اپنا چہرہ خاک پاک میں ملنے لگے۔ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما آئے، انھیں چپٹا کر بوسے دینے لگے۔ صاحبزادگان والاشان رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمھاری وہی اذان سنیں، جو تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مسجد میں دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ چھت پر چڑھے، اپنی جگہ کھڑے ہوئے اور جب انھوں نے اللہ اکبر کہا، مدینہ گونج اُٹھا۔ جب اشھد ان لّا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ کہا، شور مچ گیا۔ جب اشھد ان محمّدًا رّسول اللّٰہ کہا، پردہ نشینوں سے بھی صبر نہ ہو سکا''---

اصحابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہ آداب ہیں۔ وہ اس طرح خاک میں لوٹتے اور اس شیفتگی کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا:

وَ قَدِ اسْتَفَاضَ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ أَنَّہٗ کَانَ یبرد الْبَرِیْدَ مِنَ الشَّامِ یَقُوْلُ سَلِّمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ---[۷]

''حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلام عرض کرنے کے لیے شام سے قاصد بھیجتے تھے''---

امام ابو بکر بن عمر بن ابو عاصم نے اپنے مناسک میں فرمایا:

وَ کَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ یَبْعَثُ بِالرَّسُوْلِ قَاصِدًا مِّنَ الشَّامِ إِلَی الْمَدِیْنَۃِ لِیُقْرِءَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم السَّلَامَ ثُمَّ یَرْجِعُ---[۸]

''عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلام عرض کرنے کے لیے شام سے

قاصد بھیجتے تھے، جو سلام عرض کر کے لوٹ جاتا تھا”---

امام سمہودی نقل فرماتے ہیں:

وَ صَحَّ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ إذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أتٰی قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا أَبَا بَکْرِ الصِّدِّیْقِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا أَبَتَاہُ---[۹]

”یہ روایت صحیح ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے سفر سے آتے، روضۂ پاک پر حاضر ہو کر عرض کرتے: السلام علیك یا رسول اللّٰہ ، السلام علیك یا ابا بکر الصدیق ، السلام علیك یا اَبَتَاہ (اے میرے والد!)”---

●●●

حضور  کو پکارنا

وہابی ندا سے بہت چڑتے ہیں، وہ اس حدیث کو دیکھیں مگر انہیں حدیث سے کیا تسلی ہوگی، نجدی کا کلام ہوتا تو اُن کی تسکین کر سکتا تھا۔ اس موقع پر میں وہابیوں کے استاذ الاساتذہ اور پیر پیراں کے چند شعر لکھ دوں، جن میں ندا لغیر اللہ ہے۔ دیکھیے اس پر کیا حکم لگائیں۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی، مدرسہ دیوبند کے بانی مولوی محمود حسن وغیرہم کے استاذ، وہابیوں کے پیش وا، جن کی یادگار میں (وہابی عقیدہ کی بنا پر) رسالہ القاسم اور مدرسہ قاسم العلوم جاری کرنے کی بدعت سیئہ کا ارتکاب کیا گیا ہے اور جن کو ہندوستان کے تمام دیوبندی، وہابی اتنا مانتے ہیں کہ اُن کے مقابل قرآن و حدیث کی بھی پروا نہیں کرتے۔ وہ لکھتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار
اگر جواب دیا بیکسوں کو تو نے بھی
تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
کروروں جرم کے آگے یہ نام کا اسلام
کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار

اگر میں حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار لکھتا، جن میں حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صریح وصاف نداؤں سے پکارا ہے اور فریاد میں عرض کی ہیں:

زِ مہجوری بر آمد جانِ عالم　　ترحم یا نبی اللہ ترحم
تو آخر رحمۃ للعالمینی　　زِ محروماں چرا فارغ نشینی

زِ خاک اے لالہ سیراب برخیز　　چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

''یارسول اللہ! آپ کی جدائی میں لوگوں کی جان نکل رہی ہے---
اے اللہ کے نبی! رحم فرمایئے۔ کیا آپ تمام عالم کے لیے رحمت نہیں ہیں، تو پھر کیوں عاشقوں سے یہ بے اعتنائی ہے؟---یارسول اللہ! نرگس کے خواب کی طرح خواب سے بیدار ہوکر تربتِ انور سے باہر تشریف لایئے''---

اے بسرا پردۂ طیبہ بخواب　　خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

''اے وہ ذات جو مدینہ طیبہ میں محوِ خواب ہے، کرم فرمایئے کہ پورب وپچھّم برباد ہوئے جاتے ہیں۔[نعیمی]''---

یا حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر لکھنا:

اے محمد گر قیامت را بر آری سر زِ خواب
سر برآور ویں قیامت درمیانِ خلق بین

''یارسول اللہ! اگر قیامت میں آپ تربتِ انور سے باہر تشریف لاکر دیدار کرائیں گے، ابھی دیدار کرایئے اور مخلوق کے درمیان قیامت کا منظر ملاحظہ فرمایئے۔[نعیمی]''---

یا ان کے علاوہ اور صدہا اولیاء وعرفاء، ائمہ وعلماء کے کلام نقل کرتا، جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا کی گئی ہے تو وہابیوں کو ان سب پر بے تامل شرک کا حکم کرنے میں کچھ تکلف نہ ہوتا اور وہ حسبِ عادت سب کو خارج از ایمان کہہ ڈالتے، لیکن اب تو میں نے ان کے مرشد مولوی محمد قاسم صاحب کے اشعار پیش کیے ہیں، دیکھنا ہے گھر کے پیر کی کیسی تواضع کرتے ہیں۔ ان پر بھی شرک کا حکم دیا جاتا ہے یا نہیں، مگر اس توپ کا رُخ مولوی محمد قاسم کی طرف نہ ہوگا۔

اس کا نشانہ بنانے کے لیے بزرگانِ اسلام اور اولیاء وعلمائے دین تجویز کیے گئے ہیں۔

کس قدر شرم ناک بات کہ ندا جو وہابی عقیدے میں شرک ہو، وہابیوں کا شیخ المشائخ وہی ندا کرے، اُس کو مشرک نہ کہا جائے اور اسی حیلہ بہانے سے دنیائے اسلام کو مشرک بناڈالا جائے۔

الحاصل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین السّلام علیك یا رسول اللّٰہ! السلام علیك یا ابابکر الصدیق! السلام علیك یا ابتاہ! پکارنا اور اس طرح ندائیں کرنا، سلام عرض کرنا مسلمانوں کے اطمینان کے لیے کافی ہے۔

اہلِ قبور کو ندا

ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے:

مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرِ المَدِیْنَۃِ فَأَقْبَلَ عَلَیْھِمْ بِوَجْھِہٖ، فَقَالَ: ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا أَھْلَ الْقُبُوْرِ، یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا، وَ نَحْنُ بِالْأَثَرِ))---[۱۰]

''حضورانور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ میں چند قبروں پر گزرے، تو آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے قبر والو! تم پر سلام، اللہ تعالیٰ ہماری تمہاری مغفرت کرے، تم ہمارے پہلے ہو اور ہم بعد والے''---

اس حدیث میں حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بہ نفسِ نفیس اہلِ قبور کو ندا فرمائی۔ اس کو شرک کہنا بجز اس کے کیا کہا جائے کہ بے دینی ہے اور محض نابینائی کہ جو امر حضرت سید المرسلین صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیہِ وَ سَلَامہ سے ثابت ہو، جو فعل آں سرورِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرمائیں، وہ شرک ہو سکے۔ لا الٰہ الا اللہ! کیا دل وجگر ہے وہابیہ کا اور ان کی زبانیں کس قدر بے باک ہیں کہ وہ ایسی باتوں کو شرک کہہ ڈالتے ہیں جو خود صاحبِ شرع ارواحنا فداہ علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت ہیں۔ شفاء، امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ خَدِرَتْ رِجْلُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ: اُذْکُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَیْكَ یَزُلْ عَنْكَ فَصَاحَ: یَا مُحَمَّدَاہُ! فَانْتَشَرَتْ---[۱۱]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پائے مبارک سُن ہو گیا۔ اُن سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنے سب سے زیادہ پیارے کو یاد کیجیے، تو انہوں نے بلند آواز سے پکارا: یا محمد! پاؤں اچھا ہو گیا''---

مگر وہابی دماغ اس کو شرک ہی سمجھتا ہے، اس کو شیخِ نجدی کی تعلیم کے سامنے قرآن و حدیث کی بھی پروا نہیں۔ و العیاذ باللّٰہ تعالیٰ

الحاصل حضرات صحابہ کا روضۂ طاہرہ پر حاضر ہونا اور ندا کر کے سلام عرض کرنا ثابت ہے۔ ابنِ عون سے منقول ہے۔ ایک شخص نے نافع سے دریافت کیا۔ کیا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر شریف پر سلام عرض کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں!

لَقَدْ رَأَیْتُہٗ مِائَۃَ مَرَّۃٍ أَوْ أَکْثَرَ مِنْ مِّائَۃِ مَرَّۃٍ کَانَ یَأْتِی الْقَبْرَ فَیَقُوْمُ عِنْدَہٗ فَیَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ اَلسَّلَامُ عَلٰی أَبِیْ بَکْرٍ اَلسَّلَامُ عَلٰی أَبِیْ---[۱۲]

''میں نے ان کو سو مرتبہ یا اس سے اور زیادہ دیکھا ہے کہ وہ قبر شریف پر حاضر ہو کر حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرتے تھے''---

مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہے کہ روضۂ طاہرہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے۔ صحابۂ کبار و سلفِ ابرار کے یہی آداب تھے۔ نافع کی روایتِ مذکورہ شفاء شریف میں بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے:

وَ رُؤِیَ ابْنُ عُمَرَ وَاضِعًا یَدَہٗ عَلٰی مَقْعَدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَھَا عَلٰی وَجْھِہٖ---[۱۳]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ وہ منبر شریف پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوس مبارک کی جگہ ہاتھ رکھ کر منہ پر ملتے ہیں''---

خلاصۃ الوفا میں شفا شریف سے نقل کیا:

قَالَ بَعْضُھُمْ رَأَیْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ أَتٰی إِلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَوَقَفَ فَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی ظَنَنْتُ أَنَّہٗ أَفْتَتَحَ الصَّلَاۃَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثُمَّ أَنْصَرَفَ---[۱۴]

''بعض حضرات نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور وہاں ٹھہر کر اپنے ہاتھ اُٹھائے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ انہوں نے نماز شروع کر دی، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام عرض کر کے رخصت ہو گئے''---

حوالہ جات

۱......صحیح بخاری، ۲/۲۳، باب: المدینة تنفی الخبث

۲......صحیح بخاری ۴/۱۴۶، کتاب أحادیث الأنبیاء

۳......سنن ترمذی، ۶/۲۰۲، باب ما جاء فی فضل المدینة

۴......صحیح بخاری، ۳/۲۳، باب : المدینة تنفی الخبث/صحیح مسلم، ۲/۹۹۴، بَابُ فَضْلِ الْمَدِینَةِ، وَدُعَاءِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِیهَا بِالْبَرَكَةِ

۵...... شعب الایمان، للبیهقی، ۶/۶۷، فضل الحج والعمرة

۶...... خلاصة الوفاء باخبار دار المصطفٰی، ۱/۳۵۶

۷......مرجع سابق، ص۳۵۹

۸...... الصارم المنکی لشمس الدین الحنبلی، ۱/۲۴۴

۹...... خلاصة الوفاء باخبار دار المصطفٰی، ۱/۳۶۲

۱۰......سنن ترمذی، ۳/۳۶۰، باب ما یقول الرجل اذا دخل المقابر

۱۱...... الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی، ۲/۵۳

۱۲...... خلاصة الوفاء باخبار دار المصطفٰی، ۱/۳۶۳

۱۳...... الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی، ۲/۵۷

۱۴...... خلاصة الوفا باخبار دار المصطفٰی، ۱/۳۶۴

[السواد الاعظم ، جمادی الاخریٰ ۱۳۴۵ھ، ص۱۰ تا ۱۲/ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، ص ۷ تا ۹]



شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ

کی عید اور دونّی

''شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخِ وفات ۲۸/ذی القعدہ ۱۱۱۸ھ اور آپ کے استاذ حضرت ملا احمد جیون صدیقی قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا یوم وصال ۹/ذی القعدہ ۱۱۳۰ھ ہے''---

صحافی محمد اصغر مجددی

نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی عید گاہ، اگر، عنبر و عود اور لوبان کی خوشبوؤں سے مہک رہی تھی، انتہائی پاکیزہ اور روح پرور ماحول میں نماز عید ادا کرنے کے لیے نمازی اجلے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے روزوں کے نور سے جگمگاتے چہروں کے ساتھ صفیں باندھے بیٹھے تھے، پہلی صف بادشاہ، وزیر اعظم، ان کے مصاحبین اور سرکاری حکام کے لیے خالی پڑی ہوئی تھی، خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں، بہت دور سے نقارہ بجنے کی آواز بلند ہوئی، جس کا مطلب تھا کہ بادشاہ کی ہاتھی کی سواری عید گاہ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ نقارہ کی آواز کے ساتھ ہی شاہی محافظ ہوشیار ہو کر کھڑے ہو گئے، جب کہ نمازیوں کا اضطراب بھی سکون میں ڈھل گیا۔

تھوڑی دیر بعد والئ ہندوستان شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر اپنے لاؤ لشکر سمیت عید گاہ پہنچ گئے، نمازی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ والئ ہند، جس کے سامنے کسی شخص کے پر مارنے کی مجال نہیں تھی، ایک بزرگ ان کے آگے آگے چل رہے تھے اور شہنشاہ خود ان کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھے ہوئے

چلا آرہا تھا۔ یہ بزرگ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کا رعب و جلال دیدنی تھا، ان کے نورانی چہرے سے ٹپکنے والی عالمانہ وجاہت سے شہنشاہیت کی چمک دمک ماند پڑرہی تھی۔ ان کی اقتداء میں نماز عید ادا کی گئی، نماز عید سے فراغت کے ساتھ ہی پوری فضا مبارک سلامت کی صداؤں سے گونج اٹھی، حکام اور عوام ایک دوسرے سے گلے ملتے ہوئے خوشی خوشی گھروں کو روانہ ہو گئے۔ حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی سے امیٹھی روانگی کی تیاری مکمل تھی، ان کا اونٹ بھی عید گاہ کے باہر کھڑا ہوا تھا، جس پر بیٹھ کر آپ جلد از جلد روانہ ہونا چاہتے تھے۔ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ جب رخصت ہونے لگے تو بادشاہ نے انہیں الوداع کرتے ہوئے پابوسی کا شرف حاصل کیا اور جیب سے ایک دونی نکال کر بصد ادب واحترام بطور نذرانہ پیش کی، جس کو آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اور اخلاص ومحبت کی نشاط انگیز فضا میں شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کو خدا حافظ کہہ کر گھر کو روانہ ہو گئے۔

ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ اور شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے مابین استاذ اور شاگرد کا مقدس رشتہ تھا، شہنشاہ کی کوشش ہوتی تھی کہ مملکت کی مصروفیات کے باوجود اکتساب فیض کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت استاذ ذی وقار کی خدمت میں گزارا جائے۔ خود امور مملکت چلانے میں ایسا الجھا ہوا تھا کہ امیٹھی جانہیں سکتا تھا، آپ کو وقتاً فوقتاً دہلی بلوانے کے لیے اپنے خصوصی دستے کو امیٹھی بھجواتا رہتا تھا۔ آپ ہمیشہ خصوصی دستے کے ہمراہ دہلی جانے سے معذرت کرتے ہوئے سالار دستہ کے ذریعے شاگرد رشید کی تسلی وتشفی کے لیے خط روانہ کرتے ہوئے اس میں یہ تحریر فرماتے کہ دارالعلوم امیٹھی میں سیکڑوں تشنگان علوم اسلامیہ اصحاب صفہ کی طرح نیاز مند سے رشتۂ محبت جوڑے بیٹھے ہیں، ان پر علم دین کا دروازہ کیوں کر بند کروں۔ دیگر اسباق کے ساتھ ساتھ نور الانوار اور فتوحات مکیہ کی جاری جماعتوں کو بھی کافی وقت دینا پڑتا ہے، فتاویٰ نویسی اور انتظامی معاملات کی مصروفیات اس کے علاوہ ہیں۔ اندریں حالات رمضان المبارک کی چھٹیوں کے دوران دارالخلافہ حاضر ہو سکوں گا۔ بادشاہ کے بھرپور اصرار کے باوجود آپ صرف رمضان المبارک کا پورا مہینا شاگرد رشید کے پاس دہلی میں گزارتے اور نماز عید ادا کر کے امیٹھی واپس تشریف لے آتے۔ سال ہا سال تک آپ کا یہ معمول رہا۔

جس سال اورنگ زیب عالم گیر نے عید الفطر کے موقع اپنے استاذ گرامی حضرت علامہ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دونی نذر کی تھی، اسی سال بادشاہ کو جنوبی ہند میں گڑبڑ اور شورش کی خبریں ملیں، حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے بادشاہ سلامت کو لشکر جرار کے ساتھ بذات خود جنوبی ہند جانا پڑا،

جہاں مختلف مہمات میں کامل چودہ سال بیت گئے۔ حالات درست ہونے پر اورنگ زیب عالم گیر جب دہلی واپس آئے اور حسب سابق امور مملکت چلانا شروع کیے تو ایک روز وزیر اعظم نے گزرے ہوئے چودہ سالوں کی رپورٹ پیش کی اور بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ آپ کے استاذ حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ ایک سرمایہ دار، متمول اور بہت بڑے زمیندار بن چکے ہیں، اگر آپ اجازت دیں تو ان سے لگان وصول کیا جائے۔ اس خبر نے بادشاہ کو حیرت میں مبتلا کر دیا، بادشاہ حیران تھا کہ ایک غریب الحال بوریہ نشین عالم دین اتنی جلدی امیر کبیر اور بہت بڑا زمیندار کیسے بن گیا؟

یہ سوال اس کے ذہن میں مسلسل کھٹکنے لگا، وہ اس گتھی کو جلد از جلد سلجھانا چاہتا تھا۔ اسے استاذ سے ملنے کا اشتیاق تو پہلے ہی تھا، اس خبر نے توسنِ اشتیاق پر مہمیز کا کام کیا، آخر کار دل کے ہاتھوں تنگ آکر ایک نیاز نامہ اپنے قلم سے حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر کیا اور لکھا کہ حضرت کی کافی عرصہ سے زیارت نہیں ہوسکی، نیاز مند دکن کی مہمات میں اس قدر الجھا کہ پایہ تخت کو بھی واپس نہ آسکا، چند روز قبل آپ کی دعاؤں سے سرخ رو ہو کر لوٹا ہوں، امیدوار ہوں کہ بدستورِ سابق تشریف لائیں، اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں۔ اتفاق سے ماہ رمضان کی بھی آمد آمد تھی، خط ملتے ہی حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے آئے۔

بادشاہ نے استاذ گرامی کو انتہائی محبت وعقیدت سے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ رمضان المبارک کے لیل ونہار اخلاص وارادت کے جذبات کے ساتھ بسر ہونے لگے، دن کو جب دربار لگتا تو اس وقت بھی بادشاہ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ لے جاتا اور اپنے پاس انہیں تخت طاؤس پر بٹھاتا، رات کو نماز تراویح کے بعد دیر تک علمی مذاکرہ جاری رہتا، جس میں ملا نظام کے علاوہ دیگر اکابر علماء بھی شریک ہوتے۔ حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کا لباس اسی طرح سادہ تھا، ان کی نشست و برخاست، لب ولہجے، طور واطوار سے بھی عجز وسادگی نمایاں ہوتی تھی، کسی بھی پہلو سے ان کے متمول ومال دار ہونے کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ باوجود زبردست اشتیاق کے بادشاہ کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ استاذ گرامی سے یہ دریافت کر سکے کہ ان کی بابت دولت مند ہونے کی جو داستانیں مشہور ہوگئی ہیں ان میں کہاں تک صداقت ہے؟ ہاں اتنا ضرور تھا کہ کبھی کبھی بادشاہ دوران گفتگو خاموش ہو جاتا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتا تھا۔ ملا احمد خداداد نور بصیرت سے سمجھ گئے کہ بادشاہ کچھ پوچھنا چاہتا ہے لیکن مقصد و مدعا اس کی زبان پر نہیں آرہا۔ دو تین مرتبہ اس صورت حال کو ملاحظہ کرنے کے بعد موقع ومحل کو مناسب سمجھتے ہوئے ایک روز حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ نے بر سبیل تذکرہ خود ہی

دونی کے ذکر کو چھیڑ دیا اور ارشاد فرمایا کہ آج سے چودہ سال قبل عید الفطر کے موقع پر آپ نے مجھے جس دونی کا عید کا نذرانہ پیش کیا تھا، وہ کوئی بہت بابرکت دونی تھی۔ میں اس دونی کی برکات وعجائبات کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ تو خدا کے خزانوں کی کنجی ثابت ہوئی، جس نے میری غربت کو امارت اور مفلسی کو تونگری میں بدل ڈالا۔ اس دونی کی بدولت الحمد للہ جائیداد اور مال و دولت کے علاوہ آج میرے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود ہے۔ حضرت ملا احمد جیون کی اس مبنی بر صداقت گفتگو سے بادشاہ کے تمام خدشات دور ہو گئے تھے اور اس کے دماغ میں کھٹکنے والے تمام سوالوں کا اسے تسلی بخش جواب مل گیا تھا، اس نے اپنے اطمینان قلب اور اتمام حجت کے لیے پھر ایک آخری سوال کر ڈالا اور عرض کیا، محترم المقام! یہ ارشاد فرمایئے کہ ایک دونی نے کیسے اتنے سارے کمالات کر ڈالے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس دونی سے بنولے خرید کر میں نے کپاس کاشت کی، خدائے عزوجل نے اس میں اتنی برکت ڈالی کہ چند سالوں کے اندر ہی اندر سیکڑوں سے لاکھوں ہو گئے اور پھر دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوتی چلی گئی۔ جب ملا احمد جیون اپنا نقطہ نظر بیان فرما چکے تو بادشاہ نے مسکراتے ہوئے عرض کیا، استاذ محترم! اگر اجازت ہو تو دونی کی حقیقت اور اس کی اصل داستان بیان کی جائے۔ بادشاہ کا یہ فقرہ سن کر حضرت ملا احمد جیون کا اشتیاق مزید بڑھ گیا اور آپ نے ہمہ تن متوجہ ہوتے ہوئے زوردار انداز میں ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں دونی کی اصل داستان بیان کرو، ہم یہ داستان ضرور سنیں گے۔

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے کوتوال شہر کو حکم دیا، چاندنی چوک میں مسجد فتح پوری کے قریب سیٹھ اتم چند کی رہائش ہے، اس کو جا کر فوراً اطلاع دو کہ وہ ۱۰۶۹ھ کا بہی کھاتہ فوراً پیش کرے۔ کوتوال سیٹھ اتم چند کو لانے کے لیے روانہ ہو گیا، اس کے جانے کے بعد بادشاہ حضرت ملا احمد جیون سے فتاویٰ عالم گیری کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگا، ابھی فتاویٰ عالم گیری کے مختلف موضوعات پر گفتگو جاری تھی کہ کوتوال سیٹھ اتم چند کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے قصر شاہی پہنچ گیا، جس کو فوراً بادشاہ کی خدمت میں بہی کھاتوں سمیت پیش کر دیا گیا۔ بادشاہ نے خوف سے ہانپتے کانپتے ہوئے بنیے پر مسکرا کر نظر ڈالی اور اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ گھبراؤ نہیں، تم کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ آگے بڑھو، ۱۰۶۹ھ کے فلاں مہینے اور فلاں تاریخ کا کھاتا کھول کر خرچ کی تفصیل بیان کرو۔ بنیے نے ہڑبڑا کر روزنامچہ کھولا اور خرچ کی تفصیل پڑھنے لگا، یہاں تک کہ ایک مقام پر آ کر رک گیا، وہاں ایک دونی درج تھی، لیکن لینے والے کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ شہنشاہ نے ملائمت سے پوچھا، سیٹھ یہ بتاؤ کہ یہ دونی کہاں گئی اور کس کو ادا کی گئی؟ یہ بات سن کر اتم چند نے روزنامچہ بند کر کے رکھ دیا اور یوں عرض گزار ہوا کہ جہاں پناہ! یہ ایک

دردبھری داستان ہے، اگر حضور اجازت دیں تو عرض کی جائے۔شہنشاہ نے اتم چند کو معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا، ہاں ہاں مابدولت اس داستان کو شوق سے سنیں گے۔

اس کے ساتھ ہی وہ یوں گویا ہوا کہ برسات کی ایک رات کا واقعہ ہے، آدھی رات کے وقت موسلا دھار بارش برسنے لگی، میرا مکان نیا نیا بنا تھا، چھتوں نے ٹپکنا شروع کر دیا، گھر کا قیمتی سامان، بہی کھاتے اور بال بچے سب کمروں میں تھے، جو کہ بھیگ رہے تھے۔ میں نے بڑی کوشش کی مگر مکان ٹپکنا بند نہ ہوا، میں نے گھبرا کر باہر جھانکا تو سرکاری لالٹین کے نیچے ایک آدمی کھڑا نظر آیا، میں نے اس کو آواز دی اور کہا کہ بھائی! مزدوری کرو گے؟ اس نے کہا کہ ہاں جی، میں نے اس کو مکان میں بلا لیا اور کام بتا دیا۔ وہ شخص مشین کے انجن کی طرح کام میں مصروف ہو گیا اور اس فرشتہ صفت شخص نے بڑی عجلت کے ساتھ سارا سامان محفوظ جگہ منتقل کر دیا۔ کام کی تکمیل کے ساتھ ہی قریبی مسجد سے اذان کی آواز آئی تو اس نے کہا کہ سیٹھ! تمہارا کام مکمل ہو گیا ہے، مجھے اجازت دو، میں نے نماز فجر ادا کرنی ہے۔ میں نے کہا، واقعی میرا کام ختم ہو گیا ہے، لیکن تم کو دینے کے لیے سوائے ایک دونی کے گھر میں کوئی رقم نہیں ہے۔ صبح دکان پر آجائیں، منہ مانگا انعام دوں گا۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر کہا کہ مجھے یہی دونی کافی ہے، میں پھر حاضر نہیں ہو سکتا۔ اس واقعہ کو تقریباً پندرہ برس ہو چکے ہیں، میں نے اس مزدور کو بہت ڈھونڈا ہے، میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہتا ہے، کیوں کہ میں اس کا حق مزدوری ادا نہیں کر سکا۔ کوشش کے باوجود وہ شخص مجھے دوبارہ نہیں مل سکا۔ اتم چند یہ داستان بیان کرنے کے بعد پرنام کرتا ہوا واپس ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد شہنشاہ نے مسکرا کر حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا اور عرض کی، حضور! برسات کی رات میں بارش کے دوران ایک دونی کی مزدوری کرنے والا آپ کے سامنے بیٹھا ہوا آپ کا شاگرد اورنگ زیب عالم گیر تھا، جس دونی نے آپ کو مالا مال کر ڈالا، وہ میری ایک رات کی کمائی تھی۔ یہ بات سن کر ملا احمد جیون تڑپ اٹھے اور فرمایا کہ میرا پہلے ہی یہ خیال تھا کہ یہ دونی شاگرد بلند اقبال کی حق حلال کی جائز کمائی ہے، جس کی اس نے نذر گزاری ہے، ورنہ اس سے سیکڑوں اور لاکھوں کیوں کر بنتے؟

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

[ماخذ و استفادہ، اسلامی افسانے]



قائدانہ اوصاف ، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ④

قائد کا مخالفین کے ساتھ برتاؤ

پروفیسر خلیل احمد نوری

عالمی سطح پر ابھرنے والے قائدین کی فہرست مرتب کی جائے اور ہر ایک کے انفرادی اور امتیازی قائدانہ اوصاف جمع کیے جائیں تو ان اوصاف کی جامع، جس ہستی کا نام نامی، اسم گرامی لوحِ ذہن پر رقم ہو کر سامنے آئے گا، وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات ہو گی۔ اس جامع الصفات ہستی کا مخالفین کے ساتھ برتاؤ، خیر خواہی، اخلاص، دردمندی، ہمدردی اور برائی کے مقابلے میں بھلائی پر مبنی تھا۔ آپ ﷺ نے نہ کسی مخالف کا مذاق اڑایا، نہ کسی پر پھبتی کسی، نہ غیبت کی، نہ کسی کے متعلق غیر شائستہ گفتگو کی۔ تمسخر اور استہزاء کے مقابلے میں صبر و اعراض اور فتح و غلبے کے وقت عفو و درگزر سے کام لیا۔ کبر و نخوت اور عصبیت کے رویوں کو ضبطِ نفس سے ٹال دیا۔ گالی دینے والوں، مجنون، شاعر، کاہن اور جادوگر کہنے والوں کو بھی ہدایت اور سلامتی کی دعا دی۔

رحمتِ عالم ﷺ کی مخالفین کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دعوت اِلی الحق کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود جب مخالفین انکارِ حق اور کفر و شرک پر اڑے رہتے تو آپ ﷺ اس قدر افسردہ اور غمگین ہوتے کہ لگتا تھا کہ کفار کی

گمراہی کی پریشانی سہہ سہہ کر اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔ آپ کی دل جوئی کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسلی آمیز کلمات نازل ہوتے۔ مثلاً ارشاد فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًاo---[۱]

''(اے حبیب!) تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم کے باعث اپنی جان گھلا ڈالیں گے، اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں''---

مشرکین کے ایمان نہ لانے پر رسول اللہ ﷺ کے دکھ کی کیفیت، دوسرے مقام پر یوں بیان ہوئی ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَo---[۲]

''لگتا ہے کہ آپ اپنی جانِ عزیز پر کھیل جائیں گے، اس غم سے کہ وہ ایمان نہیں لائے''---

دعوتِ حق کے جواب میں کفار و مشرکین، کٹ حجتیوں اور بے ہودگیوں پر اتر آتے۔ آپ ﷺ کے دل کو صدمہ پہنچتا، اس پر آپ ﷺ کے رب نے ڈھارس بندھاتے ہوئے یوں تلقین فرمائی:

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَo---[۳]

''تو آپ ان کی باتوں پر غمگین نہ ہوں، بے شک ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں''---

ایک مقام پر دل شکستگی کا یوں مداوا کیا گیا:

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَo---[۴]

''(اے محبوب مکرم!) آپ ان کے بارے میں غم زدہ نہ ہوں اور نہ ہی ان کے مکر و فریب کے باعث تنگ دل ہوں''---

ایک اور مقام پر رنجیدہ دلی کے ازالے کے لیے ان کلمات سے تشفی کی گئی:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَo---[۵]

''(اے محبوب!) ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتیں آپ کو رنج پہنچاتی ہیں،

لیکن یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم لوگ دراصل اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں''---

کفار، رسولِ اکرم ﷺ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے، اسلام کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرتے، جھوٹے الزم لگاتے، کہتے کہ فلاں سے سیکھ کر آتے ہیں۔کوئی کہتا کہ اپنا بنایا ہوا کلام رب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔اس طرح کی گفتگوؤں پر آپ ﷺ کو قلق ہوتا، دل کو ٹھیس پہنچتی اور مخالفین کی زبانوں کے لگائے ہوئے زخم گھائل کر دیتے۔ایسے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا:

وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا۝---[۶]

''جو کچھ کفار کہتے ہیں، آپ اس پر صبر کیجیے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے کنارہ کش ہو جائیں''---

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین میں سب سے بڑا گروہ مشرکین کا تھا، جنہوں نے مکی زندگی کے تیرہ سالہ دورِ نبوت میں آپ ﷺ کو ستانے، الجھانے اور مشکلات پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔مگر آپ ﷺ ان کی ہدایت کی شدید خواہش میں گھلے جاتے تھے۔ کفارِ مکہ اپنے آباؤ اجداد کی راہ چھوڑنے کو بالکل تیار نہ تھے، ان میں قبائلی عصبیت تھی، وہ ضد وعناد اور ہٹ دھرمی کا مزاج رکھتے تھے، ان کی اس روش اور رویے کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ کے بیس کے قریب اہم سرداروں کا اجتماع منعقد ہوا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیج کر بلوایا کہ قریش کے شرفاء آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے خیال فرمایا کہ ممکن ہے، اسلام کی حقانیت ان پر واضح ہو گئی ہو اور وہ ایمان لانے پر آمادہ ہوں۔آپ ﷺ چونکہ ان کے ایمان لانے کے بہت خواہش مند تھے، اس لیے جلدی جلدی ان کے پاس تشریف لے گئے۔

قریشی سردار بولے: اے محمد! تم ہمارے آباؤ اجداد کو گالی دیتے ہو، ہمارے مذہب کو غلط قرار کرتے ہو، ہمارے معبودوں کی برائی بیان کرتے ہو، نوجوانوں کو تم نے بے وقوف بنا کر گمراہ کر دیا ہے اور لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی ہے، لہٰذا تمہارے لائے ہوئے دین سے بڑھ کر کوئی بری چیز نہیں ہے۔اگر تمہارا مقصد مال حاصل کرنا ہے تو ہم یہ کام کیے دیتے ہیں حتیٰ کہ تم ہم سب سے زیادہ مال دار بن جاؤ گے، اگر سرداری کی خواہش ہے تو ہم تمہیں

اپنا سردار مان لیتے ہیں، اگر حکمرانی کے خواہش مند ہو تو تجھے حاکم تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر کسی جن وغیرہ کے زیر اثر ہو تو علاج کے لیے اپنی جمع پونجی خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ ان پیش کشوں کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میرا مقصد نہ مال کا حصول ہے، نہ شرف وعزت مطلوب ہے اور نہ ہی بادشاہی کی خواہش، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اس نے مجھ پر کتاب اتاری ہے اور مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں آخرت کے عذاب سے ڈراؤں اور جنت کی خوشخبری دوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے:

فَاِنْ تَقْبَلُوْہُ فَھُوَ حَظُّکُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ---

''اگر تم ایمان قبول کر لو تو تمہیں دنیا اور آخرت کی بھلائی مل جائے گی''---

اور اگر تم انکار کر دو تو میں صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

قریشی سردار یہ سن کر بولے: اگر تمہیں ہماری پیش کش منظور نہیں تو پھر تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارا شہر دنیا کے تمام شہروں سے تنگ گھاٹی میں واقع ہے۔ یہاں پانی کی قلت ہے، روزی کے ذرائع محدود ہیں، تم اپنے رب سے کہو کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو ہٹا کر دور کر دے، ہمارا شہر کشادہ ہو جائے اور جس طرح شام وعراق میں نہریں بہتی ہیں، ہمارے لیے بھی چشمے پھوٹ پڑیں اور یہ کہ ہمارے آباؤ اجداد، خصوصاً قصی بن کلاب کو زندہ کر دے، جو تمہارے سچے ہونے کی گواہی دے۔ اگر تم ہمارے یہ مطالبات پورے کر دو تو ہم تمہیں سچا مان کر تمہاری رسالت کا اقرار کر لیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے جواب میں یہی کلمات ارشاد فرمائے کہ میں ان کاموں کے لیے نہیں بھیجا گیا:

فَاِنْ تَقْبَلُوْہُ فَھُوَ حَظُّکُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ---

''اگر تم اسلام قبول کر لو تو دنیا اور آخرت کی بھلائی تمہیں نصیب ہو جائے گی''---

سردارانِ مکہ نے بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر یہ منظور نہیں تو پھر اپنے رب سے کہیے کہ وہ ایک فرشتہ بھیجے جو تمہاری نبوت کی تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ سے سوال کیجیے کہ وہ تمہیں باغات، محلات اور سونے چاندی کے خزانے عطا کر دے، تا کہ ہماری طرح تمہیں تلاشِ رزق کی مشقت نہ اٹھانا پڑے، ورنہ تو ہماری طرح تمہیں بھی بازار میں جا کر

کاروبار کرنا پڑتا ہے۔اس طرح ہمیں یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی ہم پر تمہیں فضیلت عطا فرمائی ہے۔اس پر بھی رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے نبوت عطا کی ہے۔میں تو بشیر ونذیر بن کر آیا ہوں۔

فَإِنْ تَقْبَلُوْا مَا جِئْتُكُمْ بِهٖ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ---

''پس اگر تم میرے لائے ہوئے دین کو قبول کر لو تو تم دنیا اور آخرت کی بھلائی کے حصہ دار بن جاؤ گے''---

آخر میں کفار مکہ کہنے لگے:

ہم تو ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آسمان کا ٹکرا ہم پر گرا دو۔

یہ مجلس بے نتیجہ برخاست ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ آپ کے ساتھ ہو لیا۔کہنے لگا: دیکھو! تم نے سردارانِ مکہ کی ہر پیش کش ٹھکرا دی اور کوئی بات قبول نہیں کی، لہٰذا میں تو اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا، یہاں تک کہ تم میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان کی طرف چڑھ کر جاؤ، پھر تمہارے ساتھ چار فرشتے اتر کر آئیں اور تمہارے رسول ہونے کی گواہی دیں۔اس کے بغیر تو میں تمہاری کسی بات کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر وہ آپ ﷺ سے الگ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نہایت غمگین اور افسردہ ہو کر گھر واپس تشریف لائے۔آپ بہت پر امید ہو کر اس نمائندہ اجتماع سے مذاکرات کرنے گئے تھے، مگر دل برداشتہ ہو کر لوٹے۔[۷]

ایک اور موقع پر جب قریشی سرداروں کا وفد جناب ابو طالب کے پاس یہ مطالبہ لے کر آیا کہ محمد (ﷺ) ہم سے مصالحت اور سمجھوتا کر لیں، کہ وہ ہمارے مذہب پر تنقید نہ کریں، ہم ان کے دین کے بارے میں کوئی بات نہ کریں گے۔رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کا مطالبہ سن کر فرمایا:

كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تُعْطُوْنِيْهَا تَمْلِكُوْنَ بِهَا الْعَرَبَ، وَ تَدِيْنُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ---

''میری صرف ایک بات مان کر عہد دے دو جو تمہیں عرب وعجم کا مالک بنا دے گی''---

ابو جہل بولا، ایک چھوڑ دس باتیں ہم ماننے کو تیار ہیں۔فرمایا: لا الٰہ الّا اللّٰہ کا اقرار کر لو

اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو، سب کی غلامی کا طوق اتار دو۔ ابو جہل نے کہا:

اے محمد! تم چاہتے ہو کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت میں لگ جائیں، یہ تو بڑی تعجب خیز بات ہے۔[۸]

رسول اکرم ﷺ کے اس سب سے بڑے مخالف گروہ نے سیاسی، جسمانی، نفسیاتی، معاشرتی اور معاشی نقصان پہنچانے کی ہر تدبیر اختیار کی۔ قول وعمل سے ستانے کا کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا جو مشرکینِ مکہ نے ایجاد نہ کیا ہو۔ اس کی انتہا یہ تھی کہ دار الندوہ یعنی مکہ کی پارلیمنٹ میں آپ ﷺ کے قتل کی قرارداد منظور کی۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تمام قبائل کے نوجوانوں پر مشتمل ایک منتخب دستے نے آپ ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے رب کے حکم سے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مدنی زندگی میں بھی بدر واُحد اور خندق کی جنگیں برپا کر کے اسلام دشمنی کی ہر حد پار کر لی، لیکن جب ان دشمنوں پر غلبے کی گھڑی آ پہنچی اور انتقام لینے پر قادر ہوئے تو آپ ﷺ عفو و درگزر کی معراج پر کھڑے دکھائی دیے۔ مخالفین کا یہ گروہ، آج اپنے معاندانہ جرائم کی وجہ سے ڈرا، سہما، کپکپا رہا تھا، ایسے میں رسول اللہ ﷺ نے دہلیز کعبہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، پھر عفوِ عام کا اعلان فرما کر قریش کے سب اندیشوں کو ختم فرما دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ! مَا تُرَوْنَ أَنِّیْ فَاعِلٌ فِیْکُمْ؟ قَالُوا: خَیْرًا، أَخٌ کَرِیْمٌ، وَابْنُ أَخٍ کَرِیْمٍ، قَالَ: اذْھَبُوْا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ---[۹]

”اے گروہِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ قریش بولے: ہمیں آپ سے بھلائی کی امید ہے۔ آپ کریم انسان ہیں اور کریم انسان کے بیٹے ہیں۔ فرمایا: جاؤ! تم سب آزاد ہو کہ تم پر کوئی گرفت نہیں ہے“---

اہلِ طائف نے حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ جس بدسلوکی کا مظاہرہ کیا، وہ انسانی تاریخ کا المناک باب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استفسار پر حضور ﷺ نے اسے اپنی زندگی کا سب سے تکلیف دہ واقعہ قرار دیا تھا[۱۰] اس کے باوجود ان کے لیے بھی ضرر و نقصان کی دعا نہیں کی، بلکہ اپنے مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ کناں ہو کر عرض کی:

اَللّٰھُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِيْ ، وَقِلَّةَ حِيلَتِيْ ، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ ، وَأَنْتَ رَبِّيْ ، إِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ ؟ إِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ ؟ أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ أَمْرِيْ ؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِيْ ، وَلٰكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ ....---[۱۱]

''اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی کمزوری، اسباب کی کمی اور لوگوں کے نزدیک اپنی ناقدری کی فریاد کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے تو نے کس کے حوالے کر رکھا ہے، کسی ایسے بیگانے کے جو میرے ساتھ سخت روی سے پیش آئے یا کسی ایسے دشمن کے، جسے تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں، لیکن تیرا عافیت عطا فرمانا میرے لیے زیادہ کشادگی کا باعث ہے''---

اس موقع پر جب پہاڑوں کے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ کو پیش کش کی کہ آپ چاہیں تو طائف کے جانب دونوں پہاڑوں کو ان کے اوپر رکھ دوں، تو فرمایا:

بَلْ أَرْجُوْ أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا---[۱۲]

''نہیں بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے''---

مشرکین کے بعد رسول اللہ ﷺ کا دوسرا بڑا دشمن، گروہ یہود تھا۔ یہود، عرب بھر میں پڑھے لکھے شمار ہوتے ہیں۔ اہلِ کتاب ہونے کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کو بطورِ نبی خوب جانتے تھے۔ تاریخی اعتبار سے یہودی قوم، احسان فراموش، بدعہد اور نسلی تفاخر میں مبتلا تھی، نیز مکر و فریب اور منافقت جیسی بری صفات رکھتی تھی۔ حسد کی وجہ سے اسلام، مسلمانوں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی عداوت میں یہود، مشرکین کے شانہ بشانہ ہی نہیں دو قدم آگے تھے۔ میثاقِ مدینہ میں فریق ہونے کی وجہ سے مدینہ منورہ کی داخلی اور خارجی سلامتی یقینی بنانے میں مسلمانوں کے ساتھ برابر کے ذمے دار قرار پائے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بدعہدی، غداری اور اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے

نہ جانے دیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی کوشش کر چکے تھے۔ ان کا سردار کعب بن اشرف رسول اللہ ﷺ کی ہجو کہا کرتا تھا۔ یہود کا گڑھ خیبر تو سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ قریشِ مکہ اور ان کے حلیف قبائل کو خیبر کے یہودی ہی مدینہ منورہ پر چڑھا لائے تھے، جس کے نتیجے میں غزوۂ خندق بپا ہوا۔ اہلِ مدینہ پر یہ سخت مصیبت کی گھڑی تھی۔ اس موقع پر بنو قریظہ کے یہودیوں نے غدر و خیانت کی نہایت بدترین مثال قائم کی اور مسلمانوں کے خلاف حملہ آوروں کی مدد کرتے رہے۔ ان کے کھلے اور خفیہ، اسلام دشمن اقدامات کی وجہ سے انہیں سزائیں دی گئیں، جلاوطن بھی ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ نے کبھی ذاتی انتقام کے لیے کوئی کارروائی نہ فرمائی۔ اس کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کو کھانا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے تناول فرمانے کے لیے بوٹی اٹھا کر چبائی مگر نگلنے سے پہلے اسے تھوک دیا۔ پھر فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتلا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ عورت سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے اقرار کیا اور کہا کہ میں نے سوچا کہ اگر آپ (ﷺ) بادشاہ ہیں تو ہمیں آپ سے راحت مل جائے گی اور اگر اللہ کے نبی ہیں تو آپ کو زہر آلودگی کی خبر ہو جائے گی۔ اس پر آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ حضرت بشیر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے ساتھ کھانے میں شامل تھے، انہوں نے ایک لقمہ نگل لیا تھا، اس لیے ان کی شہادت ہو گئی۔

رسول اکرم ﷺ کی مدنی زندگی میں تیسرا بڑا اندرونی دشمن منافقین کا تھا۔ منافقین کی متعدد اقسام تھیں۔ ان میں سے اہم وہ لوگ تھے جو زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے تھے مگر ان کے دل کفر پر جمے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ---[۱۳]

''بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے''---

دوسرے وہ تھے جو اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے مگر ضعف ایمانی کی وجہ سے مفاد پرستی، ابن الوقتی اور اسلام کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ غزوۂ احد جیسے مشکل حالات میں تین سو منافق راستے سے واپس ہو گئے، جس سے اہلِ ایمان کے مورال پر یقینی طور پر شدید برا اثر پڑا ہو گا۔ منافقین کی زیرِ زمین منفی سرگرمیوں اور رسولِ اکرم ﷺ کے خلاف درونِ خانہ پروپیگنڈے کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب

بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ بحکم الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کے معاملے کو انہوں نے خوب اچھالا۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کے قصے کے یہی بانی تھے۔ انصار و مہاجرین کے مابین معمولی جھگڑے کو ہوا دے کر پیالی میں طوفان اٹھانے کی کوشش کی۔ مسجد ضرار بنا کر اسلام کے خلاف سازشی اڈا قائم کیا۔ غزوۂ تبوک میں عدم شمولیت کی بابت پوچھ گچھ ہوئی تو انہوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر عذر تراشی کی۔

عبداللہ بن ابی بن سلول، منافقوں کا سرپرست، سرغنہ اور سردار تھا۔ یہ شخص اپنی لونڈیوں کو قحبہ گری پر مجبور کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے اس نے اپنے لیے مدینہ منورہ میں اپنی بادشاہی قائم کرنے کی فضا ہموار کر لی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے اسے سخت جھٹکا لگا اور اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ غزوہ **بنی المصطلق** سے واپسی پر اسی کمینہ صفت انسان نے کہا تھا کہ مدینہ میں پہنچ کر ہم میں جو عزت والا ہے، وہ ذلیل لوگوں کو نکال دے گا۔ رئیس المنافقین کے اس قول کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠ --- [۱۴]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کی اِس بکواس کو سن کر عرض کیا:

یارسول اللہ! کیا ہم اس خبیث انسان کو قتل نہ کر دیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں، لوگ کہیں گے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں" --- [۱۵]

منافقین کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہ لوگ کھلے دشمن سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے صرفِ نظر فرماتے رہے۔

دشمنانِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا چوتھا بڑا گروہ، عرب کے بدوی قبائل کا تھا۔ یہ لوگ صحرا میں خیمہ زن رہتے تھے۔ جنگجوئی، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی ان کی سرشت کا حصہ تھی۔ یہ بکھرے ہوئے قبائل تھے، اسی لیے ان کے خلاف منظّم جنگی کارروائی آسان نہیں تھی۔ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر دوپہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا کر درخت کے نیچے قیلولہ فرمانے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ادھر ادھر درختوں کے نیچے آرام کر رہے تھے۔ ایک بدوی مشرک آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ننگی تلوار کھینچ لی اور سر پر کھڑا ہو گیا۔

آپ ﷺ کی آنکھ کھلی تو اس نے کہا:

مَنْ یَمْنَعُكَ مِنِّیْ؟---

حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ''---[۱۶]

اس حدیث کی شرح میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے یہ کہنے پر کہ ''اللہ''، اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے تلوار پکڑ کر فرمایا کہ اب تو بتا، تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ کہنے لگا کہ آپ اچھے پکڑنے والے یعنی احسان اور بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے جانے دیا، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔

خلاصۂ کلام

موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے سے حقائق کا احاطہ ممکن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تریسٹھ سالہ حیاتِ مبارکہ خصوصاً تیئیس برس کا دورِ نبوت ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے، جن سے ہر زمانے کے قائد کو رسول اکرم ﷺ کی مخالفین کے ساتھ برتاؤ کے لیے رہنمائی ملتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

❶ ہر قائد کو چاہیے کہ وہ اپنے پیروؤں سے مخلص ہو اور ان کی دینی، اُخروی اور دنیاوی خیر خواہی اور فلاح و کامیابی کا خواہش مند ہو۔ قائد کی نظری اور عملی کوششوں کا محور انسانی بہبود کے سوا کچھ نہ ہو۔

❷ مخالفین پر غلبے کے وقت سرِ تسلیم خم کر دینے والوں سے عفو و درگزر کا معاملہ کرے اور انتقامی جذبے سے سزائیں نہ دے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ذات کے لیے انتقام نہ لیا۔ ہاں، جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حرمت کے خلاف کام کرتا تو لوجہ اللہ سزا دیا کرتے۔[۱۷]

❸ قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں مخالفین کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں کے وقت، مالکِ حقیقی جل و علا سے ہی شکوہ کناں ہو اور اس کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر تکالیف کے ازالے کی دعا کرے۔

❹ قائد کا مزاج ایسا ہونا چاہیے کہ وہ مخالفین کی بدزبانی اور بے ہودہ گوئی پر کبیدہ خاطر نہ ہو بلکہ صبر سے کام لے۔ تمسخر، طعن و تشنیع پر ضبطِ نفس سے کام لے اور الزامات کا جواب دینا ضروری ہو تو معقول انداز میں شائستگی سے دے۔

5. اکھڑ مزاج، ضدی اور کبر ونخوت کی بنا پر حق کا انکار کرنے والوں کے ساتھ الجھنے اور جواب در جواب کے بجائے اعراض کی پالیسی قائد کا وصف ہونا چاہیے۔
6. مخالفین کے غلط رویوں پر حزن وملال کی کیفیت پیدا ہونا، انسانی نفسیات کا حصہ ہے۔ تاہم اعلیٰ مقاصد کی تکمیل پر نظر رکھتے ہوئے افسردگی اور دل شکستگی پر قابو پا لینا منصبِ قیادت کا لازمی تقاضا ہے۔ اسوۂ حسنہ کا یہی سبق ہے۔
7. قائد کو اگر مخالفین کی طرف سے مذاکرات کی دعوت ملے تو ٹھکرائے نہیں، مگر حق بات پر سمجھوتا نہ کرے۔ ہاں، مشترک ایشوز پر اتفاق کرنا قیادت کے حکیمانہ اسلوب میں سے ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ نجران کے مسیحیوں کے بارے میں فرمایا گیا:

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ ---[۱۷]

حوالہ جات

۱...... الکہف،۱۸:۶
۲...... الشعراء،۲۶:۳
۳...... یٰسٓ،۳۶:۷۶
۴...... النحل،۱۶:۱۲۷
۵...... الانعام،۶:۳۳
۶...... المزمل،۷۳:۱۰
۷...... سیرت ابنِ ہشام،۳:۲۸۱
۸...... سیرت ابن ہشام،۲:۳۸۱
۹...... سیرت ابن ہشام،۴:۳۴۹
۱۰...... صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب: اذا قال احد کم ،حدیث:۳۰۵۹
۱۱...... سیرت ابن ہشام،۲:۳۸۴
۱۲...... فتح الباری، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر ۳۲۲۳
۱۳...... النساء،۴:۱۴۵
۱۴...... المنافقون،۶۳:۸
۱۵...... بخاری، کتاب الانبیاء، باب ما ینھٰی من دعوۃ الجاھلیۃ
۱۶...... بخاری، باب غزوہ ذات الرقاع، حدیث نمبر ۴۱۳۵
۱۷...... بخاری، کتاب الانبیاء، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۱۷...... آل عمرٰن،۳:۶۴

[جاری ہے]



حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ

ابنِ خیر کے قلم سے

دشمن جب محلّہ چھوڑ دے یا شہر سے نکل جائے تو سکون مل جاتا ہے، لیکن مسلمانوں نے جب چھوڑا اور تمام جائیدادیں کفار کے حوالے کر کے مکہ سے مدینہ میں جا آباد ہوئے تو کفار پہلے سے بھی زیادہ بے قرار ہو گئے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہجرتِ مدینہ سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان الگ رہ کر تیاری کریں گے، اہلِ عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیں گے اور جب یہ قطرہ دریا بن گیا تو ہماری سرداری کا جاہ وجلال، اسلام کے سیلابِ حق کے سامنے خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گا۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو پہل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، قریشِ مکہ نے اپنی دماغی پریشانیوں کے ماتحت خود ہی ''آ بیل! مجھے مار'' کی روش اختیار کر لی تھی۔ جب بدر اور اُحد کے میدانوں میں ان کے تیغ آزماؤں کا زعم باطل بھی ختم ہو گیا تو وہ سازش کے بال بھی بچھانے لگے۔ انہوں نے عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بھیجا اور کہلوایا، اگر آپ ہمیں چند مبلغ عنایت فرما دیں تو ہمارے تمام قبیلے مسلمان ہو جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کل دس بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کا وفد ان کے ساتھ بھیج دیا۔

ایک گھاٹی میں کفار کے دوسو مسلح جوان مسلمانوں کے اس تبلیغی وفد کا انتظار کر رہے تھے،

جب مبلغین اسلام یہاں پہنچے تو بے نیام تلواروں نے بجلی بن کران کا استقبال کیا۔ مسلمان اگرچہ اشاعتِ قرآن کے لیے گھروں سے نکلے تھے، مگر تلوار سے خالی نہ تھے، احساسِ خطرہ کے ساتھ ہی دوسو کے مقابلے میں دس تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ آٹھ صحابی مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور خبیب بن عدی اور زید بن دسنہ دو شیروں کو کفار نے محاصرہ کر کے گرفتار کرلیا۔ سفیان ہزلی انہیں مکہ لے گیا اور یہ دونوں صالح مسلمان نقد قیمت پر مکہ کے درندوں کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے۔

حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو حارث بن عامر کے گھر ٹھہرایا گیا اور پہلا حکم یہ دیا گیا کہ انہیں روٹی دی جائے اور نہ پانی۔ حارث بن عامر نے حکم کی تعمیل کی اور کھانا بند کر دیا گیا۔

ایک دن حارث کا نوعمر بچہ چھری سے کھیلتا ہوا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس مردِ صالح نے جو کئی روز سے بھوکا اور پیاسا تھا، حارث کے بچے کو گود میں بٹھا لیا اور چھری اس کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دی۔ جب ماں نے پلٹ کر دیکھا تو حضرت خبیب چھری اور بچہ لیے بیٹھے تھے۔ عورت چونکہ مسلمانوں کے کردار سے ناواقف تھی، یہ حال دیکھ کر لڑکھڑا گئی اور بے تابانہ چیخنے لگی۔ حضرت خبیب نے عورت کی تکلیف محسوس کی تو فرمایا:

''بی بی! تم مطمئن رہو، میں بچے کو ذبح نہیں کروں گا، مسلمان ظلم نہیں کیا کرتے'' ---

ان الفاظ کے ساتھ ہی خبیب رضی اللہ عنہ نے گود کھول دی، معصوم بچہ اٹھا اور دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا۔

قریش نے چند روز انتظار کیا، جب فاقہ کشی کے احکام اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تو قتل کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔ کھلے میدان میں ایک ستون نصب تھا اور یہ اپنی بے بسی پر رو رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف بے شمار آدمی ہتھیار سنبھالے کھڑے تھے، بعض تلواریں چمکا رہے تھے، بعض نیزے تان رہے تھے، بعض کمان میں تیر جوڑ کر نشانہ ٹھیک کر رہے تھے کہ آواز آئی:

''خبیب آرہا ہے'' ---

مجمع میں ایک شورِ محشر بپا ہو گیا، لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے، بعض لوگوں نے مستعدی سے ہتھیار سنبھالے اور حملہ کرنے اور خون بہانے کے لیے تیار ہو گئے۔

مردِ صالح خبیب قدم بہ قدم تشریف لائے اور انہیں صلیب کے نیچے کھڑا کر دیا گیا۔

ایک شخص نے انہیں مخاطب کیا اور کہا:

''خبیب ! ہم تمہاری مصیبت سے درد مند ہیں، اگر اب بھی اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بخشی ہو سکتی ہے''---

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ خطاب کرنے والے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''جب اسلام ہی باقی نہ رہا تو پھر جان بچانا بیکار ہے''---

اس جواب کی ثابت قدمی بجلی کی طرح پر شور بھیڑ پر گری، مجمع ساکت ہو گیا اور لوگ دم بخود رہ گئے۔ ایک شخص نے کہا:

''خبیب ! کوئی آخری آرزو ہے تو بیان کرو''---

حضرت خبیب نے فرمایا:

''کوئی آرزو نہیں، دو رکعت نماز ادا کرلوں گا''---

ہجوم سے آوازیں آئیں:

''بہت اچھا، فارغ ہو جاؤ''---

پھانسی گڑی ہوئی ہے، حضرت خبیب اس کے نیچے کھڑے ہیں تاکہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کریں۔ خلوص و نیاز کا اصرار ہے کہ زبانِ شاکر جو حمد حق میں کھل چکی ہے، اب کبھی بند نہ ہو۔ دستِ نیاز جو بارگاہِ کبریا میں بندھ چکے ہیں اب کبھی نہ کھلیں، رکوع میں جھکی ہوئی کمر کبھی سیدھی نہ ہو، سجدے میں گرا ہوا سر کبھی خاکِ نیاز سے نہ اٹھے، ہر بن مو سے اس قدر آنسو بہیں کہ عبادت گزار کا جسم تو خون سے خالی ہو جائے مگر اس کے عشق و محبت کا چمن اس انوکھی آبیاری سے رشکِ فردوس بن جائے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا دلِ محبت نواز، عشق و نیاز کی لذتوں میں ڈوب چکا تھا کہ عقلِ مصلحت کیش نے انہیں روکا اور ایک ایسی آواز میں جسے صرف شہیدوں کی روح ہی سن سکتی ہے، انہیں روحِ اسلام کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ اگر نماز زیادہ لمبی کرو گے تو کافر یہ سمجھے گا کہ مسلمان موت سے ڈر گیا ہے، اس پیغام حق کے ساتھ ہی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دائیں طرف گردن موڑ دی اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کفار نہیں بولے، مگر ان کی کھنچی ہوئی تلواروں نے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ اب آپ نے بائیں طرف گردن موڑی اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، کفار اب بھی خاموش رہے، مگر نیزوں کی انیاں اور تیروں کی زبانیں رو رو کر پکاریں۔

''اے مجاہدِ اسلام! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!''---

مردِ مجاہد خبیب رضی اللہ عنہ سلام پھیر کر صلیب کے نیچے کھڑے ہو گئے، کفار نے انہیں پھانسی کے ستون کے ساتھ جکڑ دیا اور پھر نیزوں اور تیروں کی دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے صدق و مظلومیت کا امتحان لیں۔ ایک شخص آگے آیا اور اس نے خبیب مظلوم کے جسم پاک کے مختلف حصوں پر نیزے سے ہلکے ہلکے چرکے لگائے اور وہی خونِ اطہر جو چند ہی لمحے پیش تر حالتِ نماز میں شکر و سپاس کے آنسو بن کر آنکھوں سے بہا تھا، اب زخموں کی آنکھ سے شہادت کے مشک بو قطرے بن کر ٹپکنے لگا۔ پیکرِ صبر خبیب کے دردناک مصائب کا تصور کیجیے، آپ ستون کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں، کبھی ایک تیر آتا ہے اور دل کے پار ہو جاتا ہے، کبھی نیزہ لگتا ہے اور سینے کو چیر دیتا ہے، ان کی آنکھیں آتے ہوئے تیروں کو دیکھ رہی ہیں، ان کے عضو عضو سے خون بہہ رہا ہے مگر درد و تکلیف کی اس قیامت میں بھی ان کا دل اسلام سے نہیں ٹلتا۔

ایک اور شخص آگے آیا اور اس نے حضرت خبیب کے جگر پر نیزے کی انی رکھ دی، پھر اس قدر دبایا کہ وہ کمر کے پار ہو گئی۔ یہ جو کچھ ہوا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، حملہ آور نے کہا:

''اب تو تم بھی پسند کرو گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یہاں لگ جائیں اور تم اس مصیبت سے چھوٹ جاؤ''---

پیکرِ صبر خبیب نے جگر کے چرکے دل کو حوصلہ مندی سے برداشت کر لیا، مگر یہ زبان کا گھاؤ برداشت نہ ہوا۔ اگرچہ زبان کا خون نچڑ چکا تھا، مگر جوشِ ایمان نے اس خشک ہڈی میں بھی تابِ گویائی پیدا کر دی اور آپ نے جواب دیا:

''اے ظالم! خدا جانتا ہے کہ مجھے جان دے دینا پسند ہے مگر یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں میں ایک کانٹا بھی چبھے''---

نماز کے بعد حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر جو حالتیں گزریں، آپ بے ساختہ شعروں میں انہیں ادا فرماتے رہے۔ ان اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے:

1. لوگ انبوہ در انبوہ میرے گرد کھڑے ہیں، قبیلے، جماعتیں اور جتھے، یہاں سب کی حاضری لازم ہو گئی ہے۔
2. یہ تمام اجتماع اظہارِ عداوت کے لیے ہے، یہ سب لوگ میرے خلاف اپنے جوش و

انتقام کی نمائش کررہے ہیں اور مجھے یہاں موت کی کھونٹی سے باندھ دیا گیا ہے۔

3 ان لوگوں نے یہاں اپنی عورتیں بھی بلا رکھی ہیں اور بچے بھی اور ایک مضبوط اور اونچے ستون کے پاس کھڑا کردیا گیا ہے۔

4 یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں اسلام سے انکار کردوں تو یہ مجھے آزاد کردیں گے، مگر میرے لیے ترکِ اسلام سے قبولِ موت بہت زیادہ آسان ہے، اگرچہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، مگر میرا دل بالکل پرسکون ہے۔

5 میں دشمن کے سامنے گردن نہیں جھکاؤں گا، میں فریاد نہیں کروں گا، میں خوف زدہ نہیں ہوں گا، اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ اب اللہ کی طرف جارہا ہوں۔

6 میں موت سے نہیں ڈرسکتا، اس لیے کہ موت ہر حال آنے والی ہے، مجھے صرف ایک ہی ڈر ہے اور وہ دوزخ کی آگ کا ڈر ہے۔

7 مالکِ عرش نے مجھ سے خدمت لی ہے اور مجھے صبر و ثبات کا حکم دیا ہے، اب کفار نے زدوکوب سے میرے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا ہے اور میری تمام امیدیں ختم ہوگئی ہیں۔

8 میں اپنی عاجزی، بے وطنی اور بے بسی کی اللہ سے فریاد کرتا ہوں، نہیں معلوم، میری موت کے بعد ان کے کیا ارادے ہیں۔ کچھ بھی ہو، جب میں راہِ خدا میں جان دے رہا ہوں تو یہ جو کچھ بھی کرلیں گے، مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔

9 مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ میرے گوشت کے ایک ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے گا:

''اے اللہ! جو کچھ آج میرے ساتھ ہورہا ہے، اپنے رسول ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچادے''---

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عامل تھے، بعض اوقات آپ کو بیٹھے بیٹھے دورہ پڑتا اور آپ وہیں بے ہوش ہوکر گر پڑتے۔ ایک دن حضرت فاروق اعظم نے پوچھا، آپ کو یہ کیا مرض ہے؟ جواب دیا، میں بالکل تندرست ہوں اور مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔ جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دی گئی تو میں اس مجمع میں موجود تھا، جب وہ ہوش ربا واقعات یاد آجاتے ہیں تو مجھ سے سنبھلا نہیں جاتا اور میں کانپ کر بے ہوش ہوجاتا ہوں۔



حمد و نعت پڑھنے والوں پر نوٹ نچھاور کرنے کا شرعی حکم

نعت خوانی اور وعظ و بیان سے مقصود محض دنیوی مفاد اور حصولِ مال و زر ہو تو ممنوع ہے، جس طرح بعض لوگوں نے اسے پیشہ بنایا ہوا ہے، تاہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نعت یا تقریر پر لوگ از خود نذرانہ پیش کریں یا نوٹ پھینکیں تو اس کا جواز ہے---اس سلسلہ میں لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں، اس حوالے سے بحر العلوم حضرت ابوالمکارم مفتی محمد عبدالعزیز نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے چند سوالات کیے گئے، جس کے جواب میں حمد و صلاۃ کے بعد آپ رقم طراز ہیں:

آپ کے سوالات کا خلاصہ یہ ہے:

1. حمد و نعت پیش کرنے والوں کو نقد پیش کرنا کیسا ہے؟
2. کیا نعت خوانان و علماء کرام پر نوٹوں کو نچھاور کرنا جائز ہے؟
3. کیا نوٹ نچھاور کرنے سے اس پر لکھے ناموں کی بے ادبی نہیں ہوتی؟
4. کیا نوٹوں کا نچھاور کرنا کنجریوں سے مشابہت تو نہیں رکھتا؟

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا---[الحشر،۵۹:۷]

''جو چیز رسول اللہ ﷺ تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ''---

ان تمام سوالات کا باری باری جواب ملاحظہ فرمائیں:

❶ حمد و نعت خواہ اشعار میں ہو یا نثر میں، حمد و نعت پڑھنے والوں کو کوئی تحفہ، خواہ وہ نقدی کی صورت میں ہو یا لباس وغیرہ، کسی اور شکل میں ہو، پیش کرنا سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے، اس سلسلہ میں احادیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک اعرابی کے پاس سے گزر ہوا، وہ نماز میں دعا مانگ رہا تھا اور وہ کہہ رہا تھا: اے وہ ذات! جسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور جسے خیالات مٹا نہیں سکتے اور جس کی تعریف کرنے والے تعریف نہیں کر سکتے اور جس پر حوادث اثر انداز نہیں ہو سکتے اور جسے حادثے ڈرا نہیں سکتے، وہ پہاڑوں کے بارِ گراں کو جانتا ہے اور سمندروں کی پیمائش کو جانتا ہے اور بارشوں کے قطروں کی تعداد اور درختوں کے پتوں کی تعداد کو وہ جانتا ہے اور رات جس پر تاریکی کرتی ہے اور دن جس پر روشنی ڈالتا ہے، کی تعداد کو جانتا ہے۔ نہیں چھپاتا ایک آسمان دوسرے آسمان کو اس سے اور نہ ایک زمین دوسری زمین کو اس سے چھپا سکتی ہے اور نہ ایک سمندر، جتنی جس کی گہرائی ہے، نہ اس سے مخفی رہ سکتی ہے اور نہ پہاڑ اپنی گہرائی چھپا سکتا ہے، میری عمر کے آخر کو بہتر بنا دے، بہتر انجام میرے نیک عمل سے کر دے۔ میرے بہتر دنوں میں سے وہ دن بنا، جس میں میں تیری ملاقات کروں۔

رسولِ پاک ﷺ نے اس اعرابی پر، جو یہ دعا مانگ رہا تھا، ایک آدمی مقرر فرمایا اور اس کو حکم دیا کہ جب یہ نماز سے فارغ ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس موقع پر رسولِ پاک ﷺ کے پاس بعض معادن کا خالص سونا ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ آپ نے وہ سونا اس اعرابی کو دے دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو

کس قبیلے سے ہے؟ اس نے کہا، بنی عامر بن صعصعہ قبیلہ سے ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ میں نے یہ سونا تجھے کس وجہ سے دیا ہے؟ اس اعرابی نے عرض کیا: رحمی تعلق نبھانے کے لیے۔ آپ نے فرمایا: رحمی تعلق تو حق ہے:

وَ لٰکِنْ وَھَبْتُ لَکَ الذَّھَبَ لِحُسْنِ ثَنَائِکَ عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ---

''لیکن میں نے یہ سونا اس لیے دیا ہے کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی بہترین ثنا و تعریف کی ہے''---

[المعجم الاوسط للحافظ الطبرانی، ج10، ص203 تا 204، حدیث9444، باب الیاء، من اسمه یعقوب، طبع مکتبة المعارف، الریاض، السعودیة العربیة/ مجمع البحرین للهیثمی، ج8، ص20 تا 21، حدیث4640، باب حسن الثناء علی الله، طبع مکتبة الرشد، الریاض، السعودیه/ مجمع الزوائد و مبنع الفوائد للهیثمی، ج10، ص157 تا 158، باب فی ما یستفتح به الدعاء من حسن الثناء علی الله، طبع دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان]

اس حدیث کے بارے امام بیہقی فرماتے ہیں:

رَوَاہُ الطِّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ وَ رِجَالُ الصَّحِیْحِ غَیْرُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَذْرَمِیّ وَ ھُوَ ثِقَةٌ---

''اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس حدیث کے راوی بخاری شریف کے راوی ہیں، سوائے عبداللہ بن محمد ابو عبدالرحمٰن اذرمی کے اور وہ راوی ثقہ ہے''---

[مجمع الزوائد، ج10، ص158، للهیثمی، باب فی ما یستفتح به الدعاء من حسن الثناء علی الله، طبع دارالکتب العلمیة بیروت، لبنان]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے پر کسی کو سونا یا نقدی پیش کرنا نبی کریم ﷺ کی سنتِ مطہرہ ہے۔

امام ابن عساکر اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَضَعُ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِی الْمَسْجِدِ فَیَنْشُدُ قَائِمًا یُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ---

''نبی کریم ﷺ مسجد میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے منبر رکھنے کا حکم دیتے، یعنی رکھواتے، تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر شعر پڑھتے، رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے''---

[تاریخ مدینۃ دمشق لابن عساکر، ج12، ص389، ترجمۃ حسان بن ثابت بن المنذر، طبع دار الفکر، بیروت، لبنان]

اس حدیث نبی ﷺ سے ثابت ہوا کہ نبی پاک ﷺ کی تعریف کرنے کا انعام واکرام یہ ملا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے منبر شریف پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت محمد بن عباد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سرکار ﷺ کے لیے اشعار پڑھے۔ ان اشعار میں یہ شعر بھی پڑھا:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ ۔۔۔ وَعِنْدَ اللّٰهِ فِیْ ذَاكَ الْجَزَاءُ

''تو نے نبی اکرم ﷺ کی ہجو کی، پس میں نے جواب دیا اور اللہ کے پاس اس کی جزاء ہے''---

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جَزَاؤُكَ عَلَی اللّٰهِ الْجَنَّةُ یَا حَسَّانُ---

''اے حسان! تیری جزاء اللہ پر جنت ہے''---

[تاریخ ابن عساکر، ج12، ص404، ترجمۃ حسان بن ثابت بن المنذر، طبع دار الفکر، بیروت، لبنان]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تعریف ونعتِ مصطفیٰ ﷺ پر سرکار کریم ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو جنت سے نوازنے کا اعلان فرمایا۔ اسی طرح بعض روایات میں اپنی چادر مبارک عطا کرنے کا ذکر بھی ہے۔

ان احادیث سے حمد ونعت دونوں پر انعام مصطفیٰ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا۔

کیا نعت خوانان اور علماء کرام پر نوٹ نچھاور کر سکتے ہیں؟

❷ آپ کا دوسرا سوال کہ کیا نعت خوانان اور علماء کرام پر نوٹوں کو نچھاور کرنا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ خوشی کے وقت کسی ہدیے کا نچھاور کرنا، خواہ اس کی شکل کیا ہو، جائز ہے۔ اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

امام ابن حجر عسقلانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ حَضَرَ فِیْ اِمْلَاكٍ فَاُتِیَ بِاِطْبَاقٍ عَلَیْھَا جَوْزٌ وَ لَوْزٌ وَ تَمْرٌ، فَنُثِرَتْ، فَقَبَضْنَا اَیْدِیَنَا فَقَالَ مَا بَالُکُمْ لَا تَاْخُذُوْنَ فَقَالُوْا لِاَنَّكَ نَھَیْتَ عَنِ النَّھْبِ فَقَالَ اِنَّمَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ نَھْبِ الْعَسَاکِرِ خُذُوْا عَلَی اسْمِ اللّٰہِ فَجَاذَ بْنَاءُ جَاذَبْنَاہُ---

’’نبی کریم ﷺ ایک نکاح میں تشریف لائے، ایک طباق لایا گیا، جس پر اخروٹ، بادام اور کھجوریں تھیں۔ پس وہ اخروٹ، بادام اور کھجوریں نچھاور کی گئیں تو ہم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم انہیں نہیں پکڑتے ہو؟ تو صحابہ کرام نے عرض کیا، کہ بے شک آپ نے ہم کو لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے، تو نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں فوج کی لوٹ مار سے منع کیا ہے، اللہ کا نام لے کر پکڑو، تو ہم نے کھینچ کر ان کو پکڑ لیا‘‘---

[التلخیص الحبیر، ج3، ص200 تا 201، للعسقلانی، حدیث 1578، باب الولیمة و النثر، طبع المکتبہ الاثریة، ننکانہ، ضلع شیخوپورہ]

پھل اور شکر کا پھینکنا ثابت ہے

امام بیہقی نے باب باندھا ہے: باب ما جاء فی النثار فی الفرح، ’’باب اس بارے کہ خوشی میں نچھاور کرنا‘‘۔ اس باب میں چند احادیث نچھاور کرنے کے بارے لاتے ہیں۔

''حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعض عورتوں سے شادی فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کھجوروں کو نچھاور کیا گیا''---

[السنن الکبریٰ للبیھقی، ج7، ص287، کتاب الصداق، باب ما جاء فی النثار فی الفرح، طبع دار المعرفة، بیروت، لبنان]

امام طبرانی اپنی سند سے روایت فرماتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی کہ میں ایک انصاری شخص کے نکاح میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور اس انصاری صحابی کا نکاح کر دیا اور الفت اور خیر اور مبارک نصیب پر زندہ رہنے کی دعا فرمائی، پھر آپ کے سامنے ایک ٹوکرا پیش کیا گیا جس میں پھل اور شکر تھی، پس وہ ان پر پھینکا گیا، حاضرین نے لوٹنے سے ہاتھ روک دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ کیسی بردباری ہے کہ تم لوٹتے نہیں؟ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں دن لوٹنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے افواج کو لوٹنے سے منع کیا تھا اور ولیموں کی لوٹ سے منع نہیں کیا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے:

فَوَاللّٰہِ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحَبِّذُنَا وَنُحَبِّذُہٗ اِلٰی ذٰلِكَ النِّھْبِ---

''اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا، آپ ہمیں لوٹ پر تحسین فرما رہے ہیں اور ہم آپ کو تحسین عرض کر رہے ہیں''---

[المعجم الاوسط للطبرانی، ج1، ص114 تا 115، حدیث 118، طبع مکتبة المعارف، الریاض، سعودی عرب/ المعجم الکبیر للطبرانی، ج20، ص82، حدیث 191، خالد بن معدان عن معاذ بن جبل، طبع الزھرا الحدیثیه، موصل، عراق/ مجمع الزوائد، ج4، ص290، باب اعلان النکاح و اللھو و النثار، طبع دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان/ السنن الکبریٰ للبیھقی، ج7، ص288، کتاب الصداق، باب ما جاء فی النثار فی الفرح، طبع دار المعرفة، بیروت، لبنان]

ان احادیث سے سرکار دوعالم ﷺ پر کھجوروں کا نچھاور کرنا اور پھینکنا، صحابہ کرام کی نکاحوں کی تقاریب میں صحابہ کرام پر اخروٹ، بادام، کھجوریں، پھل اور شکر کو نچھاور کیا گیا۔

کاغذ کے نوٹوں سے رزق کا ادب کرنا زیادہ افضل وضروری ہے، اگر پھل وغیرہ سروں پر نچھاور کیے جاسکتے ہیں تو کاغذ کے نوٹوں کو سرکار ﷺ کی محفل کی خوشی میں اور تعریف کی خوشی میں کیوں نچھاور نہیں کیا جاسکتا ہے؟

نوٹوں پر مقدس نام لکھے ہونے کی وجہ سے ان ناموں کی بے ادبی نہیں ہوتی؟

❸ آپ کا تیسرا سوال کہ کیا نوٹوں پر مقدس نام لکھے ہونے کی وجہ سے ان ناموں کی بے ادبی نہیں ہوتی؟ جہاں تک بے ادبی کا سوال ہے کوئی بھی مسلمان جب اللہ تعالیٰ کی تعریف اور سرکار دوعالم ﷺ کی نعت وتعریف سنتا ہے تو وہ اس ایمانی جذبہ کے تحت خوشی سے نوٹوں کو بطورِ ادبِ خدا عزوجل و مصطفیٰ ﷺ نعت خوانان اور علماء کرام پر نچھاور کرتا ہے، اس میں ناموں کی بے ادبی نہیں ہوتی۔ خود رسول اللہ ﷺ پر اور صحابہ کرام پر اخروٹ، بادام، کھجوریں پھینکی گئیں اور پھینکنے والے صحابہ کرام ہی تھے، اگر اس میں بے ادبی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کام سے صحابہ کرام کو روک دیتے، لیکن آپ ﷺ نے روکا نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

دانے دانے پر ہے کھانے والے کا نام اور اللہ تعالیٰ کا نام

امام ابی بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ) اپنی سند سے روایت فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر جو بھی کھیتی ہے اور درختوں پر پھل ہیں، ان پھلوں اور کھیتوں کے اناج پر لکھا ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھٰذَا رِزْقُ فُلَانَ بْنَ فُلَانِ---
"یہ رزق فلاں شخص جس کی ولدیت فلاں ہے، لکھا ہوتا ہے"---

اور یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اور کوئی ایسا پتہ نہیں جھڑتا جس کو وہ نہ جانتا ہو اور زمین کی اندھیریوں میں

کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز جو ایک روشن کتاب میں لکھی نہ ہو''---[سورۃ الانعام، 6:59]

[تاریخ بغداد خطیب، ج4، ص353، تحت 2123، احمد بن الخلیل، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان/ تفسیر درّ منثور از امام جلال الدین سیوطی، ج3، ص252، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ ہر ہر پھل پر اور اناج پر بسم اللہ شریف اور اس شخص کا نام لکھا ہوتا ہے، جب پھل، اخروٹ، بادام، کھجوریں سرکار ﷺ کی موجودگی میں حاضرین پر پھینکی گئیں تو کیا معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور دیگر صحابہ کرام کے ناموں کی بے ادبی ہوئی؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اس میں نیت کو دخل ہوتا ہے، وہ پھل وغیرہ خوشی میں نچھاور کیے گئے اور نبی پاک ﷺ نے منع بھی نہیں فرمایا۔ اب محض اپنی رائے اور ظن سے کسی چیز کو بے ادبی قرار دینا نہایت غلط ہے، اس کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے۔

کنجریوں پر نوٹ پھینکنے سے مشابہت

4 آپ کا چوتھا سوال کہ نعت خوانوں اور علماء کرام پر نوٹ پھینکنا کنجریوں سے مشابہت ہے؟ ایسی مشابہت کو سمجھنا درست نہیں ہے۔ کنجری پر نوٹوں کو شہوانی غرض کے لیے لوگ نچھاور کرتے ہیں، جب کہ نعت خوانوں اور علماء کرام پر نوٹوں کو نچھاور محض محبتِ خدا و رسول ﷺ میں کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں سے سوال کرے کہ آپ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کیا فرق ہے؟ آپ مسلمان آبِ زم زم مکہ سے لاتے ہو اور ہندو گنگا اور جمنا سے لاتے ہیں، تو ہم کہیں گے کہ یہ مشابہت نہیں۔ ہمارا مکہ معظّمہ سے پانی لانا عینِ ایمان ہے جب کہ ہندوؤں کا گنگا و جمنا سے پانی بتوں کے وسیلہ سے لانا عین شرک ہے۔

آپ دیکھیں کہ زنا میں اور نکاح میں عورت کے ساتھ ایک ہی عمل ہے، لیکن ایک حرام ہے جب کہ دوسرا عین عبادت ہے۔ اسی طرح کنجریوں پر نوٹ پھینکنا حرام جب کہ عشقِ مصطفیٰ اور نیتِ خالص سے نعت خوانان اور علماء کرام پر نوٹ پھینکنا اور نچھاور کرنا عین ثواب ہے۔

ہمارے اسلاف کا عمل

سید المفسرین و المحدثین امام اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تفسیر، تفسیر روح البیان میں اسلاف کا عمل بیان فرماتے ہیں کہ بغداد شریف کے بعض واعظین سے ایک واعظ کا ذکر ہے کہ وہ واعظ نمازِ عصر کے بعد وعظ کر رہا تھا، پھر اس نے آلِ بیت کے فضائل کا ذکر کرنا شروع کر دیا تو بادل آ گیا، جس نے سورج کو ڈھانپ لیا۔ اس واعظ اور لوگوں نے خیال کیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے تو لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا، اس واعظ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ حرکت نہ کرو، پھر اس واعظ نے اپنا چہرہ مغرب کی طرف کر لیا اور اشعار کہے:

لَا تَغْرِبِیْ یَا الشَّمْسُ حَتّٰی یَنْتَھِیْ — مَدْحِیْ لِاٰلِ الْمُصْطَفٰی وَ لِنَجْلِہٖ
اِنْ کَانَ لِلْمَوْلٰی وَقُوْفُکَ فَلْیَکُنْ — ھٰذَا الْوَقُوْفُ لِوَلَدِہٖ وَ لِنَسْلِہٖ

''اے سورج! تو غروب نہ ہو جب تک کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد و آل پاک کی تعریف پوری نہ ہو جائے---

اگر اے سورج! تیرا ٹھہرنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھا تو تو ٹھہر جا، یہ تیرا ٹھہرنا اس کی اولاد اور نسل کے لیے ہے'' ---

فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ فَلَا یُحْصٰی مَا رَمٰی عَلَیْہِ مِنَ الْحُلِیِّ وَ الثِّیَابِ---

''پس سورج طلوع ہو گیا تو لوگوں نے بے حد و بے حساب اس واعظ پر زیورات اور کپڑے پھینکے'' ---

[تفسیر روح البیان، ج5، ص128، سورۃ الاسراء، طبع مکتبۃ الاسلامیۃ، کوئٹہ، پاکستان]

ان تمام دلائل سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ علماء و نعت خوانان پر نوٹوں کا پھینکنا نہ صرف جائز بلکہ موجبِ ثواب ہے اور اس میں کسی قسم کی بے ادبی کا شائبہ نہیں ہے۔

ھذا ما عندی و اللہ اعلم بالصواب

08-05-2004



جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے

علامہ محمد رمضان صاحب، محقق نوری رحمۃ اللہ علیہ

صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''ایک بلی کے سبب ایک عورت دوزخ میں گئی۔اس نے اسے باندھ رکھا تھا، نہ کھانا دیا اور نہ چھوڑا کہ خود ہی اپنی خوراک تلاش کر لیتی''---

ایک حدیث میں حکم ہے:

''جو جانور پالو، دن میں ستر بار اسے دانا پانی دکھاؤ''---

مطلب یہ ہے کہ اسے کسی وقت بھی بھوکا نہ رکھو۔

مشکوٰۃ شریف، باب فضل الصدقۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ایک زانیہ عورت بخشی گئی، جو ایک کتے پر گزری، جو کنوئیں کی منڈیر پر شدتِ پیاس سے زبان نکالے ہوئے قریب تھا کہ مرجائے تو اس نے اپنا موزا اتارا اور دوپٹے سے باندھ کر اس کے لیے پانی نکالا اور اسے پلایا کہ سیراب ہوگیا، تو اسی عمل سے اس کی بخشش ہوگئی'' ---

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بطریقِ استفہام عرض کی کہ جانوروں پر احسان کرنے میں بھی ثواب ہے، فرمایا (ہاں!) ہر جانور پر احسان کرنے میں ثواب ہے۔ ان حدیثوں کی روشنی سے خوب روشن ہوا کہ جانوروں کو ایذا و تکلیف دینا سخت جرم ہے اور ان پر احسان کرنا موجبِ ثواب ہے۔ اسی لیے انہیں لڑانا اسلام میں جائز نہیں۔

مشکوٰۃ شریف، باب ذکر الکلب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے:

نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنِ التَّحْرِیْشِ بَیْنَ الْبَھَائِمِ ---

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا'' ---

اس کے ماتحت اشعۃ اللّمعات اور احکام شریعت میں لکھا ہے کہ بٹیر بازی، مرغ بازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا، جیسے لوگ مینڈھے لڑاتے ہیں، لال لڑاتے ہیں، یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں، ریچھوں کا لڑانا، یہ سب مطلقاً حرام ہے کہ بلاوجہ بے زبانوں کی ایذا ہے۔ یہاں تک کہ قتل و ذبح میں بھی بلا سبب ایذا دینے سے بچنے کا حکم ہے۔

مشکوٰۃ شریف، کتاب الصید و الذبائح میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں خوبی کرنا لکھ دیا ہے، لہٰذا قتل کرو تو اس میں بھی خوبی کا لحاظ رکھو، یعنی بے سبب اس کو ایذا مت پہنچاؤ اور ذبح کرو تو ذبح میں خوبی کرو اور (ذبح کرنے والا) اپنی چھری کو تیز کر لے اور ذبیحہ کو تکلیف نہ پہنچائے'' ---

ہدایہ اور درمختار میں ہے کہ جانور کو لٹانے سے پہلے چھری کو تیز کر لینا مستحب ہے اور لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔ یونہی جانور کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے

مذبح کو لے جانا بھی مکروہ ہے اور ہر ایسا فعل جس سے جانور کو بلا فائدہ تکلیف پہنچے، مکروہ ہے۔ مثلاً جانور میں ابھی حیات باقی ہو، ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا یا ذبح سے پہلے اس کے سر کو کھینچنا کہ رگیں ظاہر ہو جائیں یا گردن کو توڑنا، یونہی جانور کو گردن کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے، بلکہ اس کی بعض صورتوں میں جانور حرام ہو جائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ ذبح کرتے وقت آہستہ آہستہ قطع کرنا مکروہ ہے کہ اس میں بھی تکلیف کی زیادتی ہے۔ اسی وجہ سے اونٹ کو نحر کرنا سنت اور ذبح کرنا (اگر چہ اس سے اونٹ بلا شبہ حلال ہو جاتا ہے) مکروہ ہے۔ کہ ذبح کی جگہ حلق اور لَبَّہ کے مابین ہے اور نَحَر کی جگہ حلق کا آخری اور سینہ کا بالائی حصہ ہے، جسے لبّہ اور منحر کہتے ہیں اور یہاں گوشت بالکل تھوڑا ہوتا ہے، جس کے کاٹنے سے اسے نسبتاً تھوڑی تکلیف ہوتی ہے، بخلاف دوسرے مقاموں کے، کہ وہاں زیادتیٔ گوشت کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔

عالمگیری میں ہے، مکان میں پرند نے گھونسلا لگایا اور بچے بھی دیے۔ بچھونے اور کپڑوں پر بیٹ کرتی ہے، ایسی حالت میں گھونسلا بگاڑنا اور پرندے کو بھگا دینا نہیں چاہیے۔ بلکہ اس وقت تک انتظار کرے کہ بچے بڑے ہو کر اڑ جائیں۔ بعض لوگ بقصدِ لہو ولعب پکڑے ہوئے شکار کو چھوڑ کر کتوں سے پکڑاتے ہیں، یہ بہت برا کام ہے۔

اسی طرح جانور سے کام لینے میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے کہ وہ مصیبت میں پڑ جائے، جتنا بوجھ اٹھا سکتا ہو اتنا ہی اس پر ڈالا جائے یا جتنی دور جا سکے، وہیں تک لے جایا جائے یا جتنی دیر کام کرنے کا متحمل ہو سکے، اتنا ہی کام لیا جائے۔ بعض تانگہ وغیرہ والے اتنی زیادہ سواریاں بٹھا لیتے ہیں کہ گھوڑا مصیبت میں پڑ جاتا ہے، یہ ناجائز ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ بلا وجہ جانور کو نہ مارے اور سر یا چہرہ پر کسی حالت میں ہرگز نہ مارے۔

موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے لیکن ایذائیں دے کر انہیں بھی نہ ماریں۔



لائبریریوں کی تاریخ

حافظ افتخار احمد قادری، پیلی بھیت

لائبریریوں کی تاریخ جہاں دلچسپ ہے وہیں سبق آموز بھی۔ دنیا کی سب سے پہلی لائبریری کب وجود میں آئی؟ ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی حتمی جواب نہ ملے۔ کیونکہ روز بروز ہونے والی تحقیقات سے کچھ نیا ہی نتیجہ نکل رہا ہوتا ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ لائبریریز کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدیم انسان کی تہذیب ہے۔ انسان نے ہر دور میں حاصل ہونے والے علم کا ریکارڈ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لائبریریوں کا آغاز اس وقت سے ہوا جب انسان کے پاس لکھنے کے لیے کاغذ قلم نہ تھا، وہ مٹی کی تختیوں، چمڑے اور ہڈیوں پر تحریر کو محفوظ کرتا تھا۔ آج جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے اور ڈیجیٹل لائبریریوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آشور بنی پال، سکندریہ لائبریری، عیسائیوں، ایرانی، ساسانی، یونانی، رومی کتب خانے، عربوں کے کتب خانے، یورپ اور برصغیر کے حکمرانوں کے کتب خانے بہت مشہور ہیں۔ قدیم دور کے کتب خانوں میں آشور بنی پال، کتب خانہ سکندریہ اور کتب خانہ پرگامم قابلِ ذکر ہیں۔ آشور بنی پال کی لائبریری میں اس وقت کا لکھا گیا زیادہ تر ادب موجود تھا۔ [سکندریہ کی لائبریری کی داستان، ص۱۶]

مصر کے نئے حکمران خاندان نے اقتدار سنبھالا اور سکندریہ کو دانش وروں کا شہر بنا دیا۔ اس خاندان کے حکمرانوں کو علم وفن سے بہت زیادہ محبت تھی اور مصر کے قدیم علمی خزانوں کو دوبارہ دریافت کر کے دنیا کے لیے مفید بنایا تھا، اگرچہ فرعونیوں نے بھی سقارا میں عظیم اہرام تعمیر کر کے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اب سکندریہ نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور اس کے علم وکمال نے دنیا کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ سکندریہ کی مشہور لائبریری ''ٹالمی اوّل'' نے شروع کی اور ''ٹالمی دوم'' کے دورِ حکومت میں مکمل ہوئی۔ ٹالمی دوم نے اپنے ماتحت ریاستوں کے حکمرانوں اور مختلف علوم کے علماء کو دعوت دی کہ اس عظیم لائبریری کے لیے کتابیں جمع کریں اور علماء کتابیں تحریر کریں۔ زیادہ تر کتابیں خریدی گئیں اور لاکھوں کتابیں مختلف علوم کے علماء سے تحریر کروائی گئیں۔ کچھ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ سکندریہ کی لائبریری میں کئی لاکھ کتابیں تھیں۔ سٹرابو لکھتا ہے کہ قدیم ''ڈورک'' زبان اور قدیم یونانی زبان میں لکھی گئی کتابیں، جو کہ نامور شاعروں اور فلسفیوں کی تھیں۔ رہوڈس کے بازار سے سونے کے ساتھ تول کر خریدی گئیں اور ان کتابوں کے عوض سونا دیا گیا تھا۔ [اقتباس از سکندریہ لائبریری کی داستان، ص ۳۸]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا کا پہلا منظّم کتب خانہ سکندریہ تھا اور اس میں منہ مانگی قیمت پر کتب خرید کر رکھی جاتی تھیں۔ اس میں رکھے گئے مواد کو مضامین کے اعتبار سے رکھا جاتا تھا۔ اس کا قیام 323 ق م میں مصر میں عمل میں آیا اور اس میں ذخیرۂ کتب 9/لاکھ تھا۔ یونانی کتب خانوں میں کتب خانہ ارسطو، کتب خانہ افلاطون اور پرگامم کا کتب خانہ قدیم ترین ہے۔ افلاطون کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس بھی ایک شان دار کتب خانہ موجود تھا، جو اس کی وفات کے بعد کہاں گیا، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ البتہ ارسطو کے کتب خانے کے حوالے سے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ یہ کتب خانہ سیکڑوں کتابوں پر مشتمل تھا، جو کہ ایک اندازے کے مطابق 4/سو رولز پر مشتمل تھا۔

نجی کتب خانوں کا بانی ارسطو کو کہا جاتا ہے۔ ارسطو نے کتب خانوں کی تنظیم وترتیب سائنسی بنیادوں پر رکھنا شروع کی تھی۔ قدیم یونان کا دوسرا اہم ترین کتب خانہ پرگامم ہے، جسے اتالوسی دوم نے 137ء سے 159ء تک قائم کیا۔ پرگامم کا مواد پیپرس رولز اور پارچمنٹ پر مشتمل تھا، یہ ذخیرہ دو لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ یونانی کتب خانوں میں ادب، تاریخ، سائنس،

ریاضی، فلسفہ، مذہبیات، سیاسیات اور اخلاقیات جیسے موضوعات پر ذخیرۂ کتب زیادہ تھا۔

سرزمینِ روم میں عوامی کتب خانے، نجی کتب اور مخصوص کتب خانے موجود تھے۔ 360ء سے 370ء تک روم میں 28/عوامی کتب خانے موجود تھے۔ روم کے یہ تمام کتب خانے 16/ویں صدی تک نیست و نابود ہو گئے۔ چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں برصغیر پاک و ہند میں کتب خانے موجود تھے۔ کتب خانہ نالندہ یونی ورسٹی، وکرم شلا اور سرسوتی بھنڈار برصغیر کے قدیم کتب خانے ہیں۔ پرانے وقتوں کے عظیم کتب خانوں کی دو اہم خصوصیات علم دوستی اور حکمرانوں کی ذاتی دلچسپی اور ان کی ہیئت و تنظیم میں ہم آہنگی تھی۔

دس بڑی لائبریریاں

ایسی لائبریریاں بنانا جہاں علم و حکمت ایک عام آدمی کی دسترس میں آ جائے، یہ یقیناً نوعِ انسان کی ایک بہت بڑی کاوش ہے۔ دنیا کی چند بڑی لائبریریوں کے نام پیشِ خدمت ہیں:

● خدا بخش لائبریری پٹنہ بہار، ● رضا لائبریری رام پور یوپی، ● امریکی کانگریس کی لائبریری، ● برٹش لائبریری لندن انگلینڈ، ● نیویارک پبلک لائبریری نیویارک، ● رشین اسٹیٹ، ● نیشنل لائبریری آف رشیا، ● نیشنل ڈائٹ لائبریری جاپان، ● نیشنل لائبریری آف چائنا، ● نیشنل لائبریری آف فرانس، ● بودلیئن لائبریری، آکسفورڈ برطانیہ، ● بوسٹن پبلک لائبریری۔

ترکی کی عظیم الشان لائبریری

ترکی جہاں اہلِ علم حضرات کا مرکز ہے، وہیں دینی کتب و دل کش لائبریریز کا مظہر بھی ہے۔ ترکی صدارتی کمپلیکس میں بنائی گئی لائبریری میں 40/لاکھ سے زائد کتابیں رکھی گئی ہیں، جب کہ وہاں 5/ہزار افراد بیک وقت مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ترکی اردو کی رپورٹ کے مطابق انقرہ کی اس عظیم الشان لائبریری میں ایک کروڑ 20/لاکھ الیکٹرانک اور ساڑھے 5/لاکھ کتب کے ساتھ ساتھ تاریخی دستاویزات بھی موجود ہیں۔ جہاں بیک وقت 5/ہزار افراد مطالعہ کر سکتے ہیں۔ صدارتی کمپلیکس کا کل رقبہ 125/ہزار مربع میٹر ہے، جس کی تعمیر کا آغاز 2016ء میں کیا گیا تھا۔ [ترکی اردو ویب سائٹ سے ماخوذ]



دوسری قسط

کنیت

کنیت کا مفہوم اور اس کی اقسام کے حوالے سے شیخ عبداللہ دانش کے مضمون کی پہلی قسط گزشتہ شمارے میں شائع ہوئی تھی، اسی سلسلہ وار مضمون کی دوسری قسط ملاحظہ کریں---[ادارہ]

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

ہمارے لیے شاید یہ لطیفہ ہی معلوم ہو، جب ہم بچپن میں، دینی مدرسہ میں پڑھتے تھے، تو اُڑتی سی یہ خبر بھی سنی تھی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کنیت کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنی کنواری بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں دی تھی، جب کہ باقی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنواری نہیں تھیں۔ یہ بات تھوڑی سی عقل کو اپیل کرتی ہے کہ واقعی عربی زبان میں بکر کا معنی، عَذْرَاءُ (Virgin) کنواری لڑکی بھی ہے۔لیکن یہ باء (کسرہ) زیر کے ساتھ ہے۔

سید سلیمان ندوی نے لکھا:

"یہ شرارہ مستشرقین اور عیسائی لوگوں نے چھوڑا، جس کی تقلید مسٹر امیر علی جیسے بھی کر بیٹھے"---[۱]

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، بِکْرٌ: بائے مکسورہ سے، معنی کنواری ہے۔ بَکْرٌ بائے مفتوحہ سے، معنی جَمَلٌ صَغِیرٌ (Young Camel) چھوٹا اونٹ ہے۔

بعثت کے پانچویں اور چھٹے سال، ہجرت حبشہ کے لیے، ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی نکلے۔ راستے میں ابن الدغنہ قبیلہ قارہ کا سردار ملا۔ کہنے لگا:

أَيْنَ تُرِيْدُ يَا أَبَا بَكْرٍ؟---''اے ابوبکر! کدھر جارہے ہو؟''---

انھوں نے کہا: میری قوم مجھ کو اپنے وطن میں آرام سے نہیں رہنے دیتی۔ مکہ کی سرزمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پر تنگ کردی گئی ہے۔ چاہتا ہوں کہ کہیں تنہائی میں مشغولِ عبادت رہوں۔

ابنُ الدَّغِنَہ نے کہا:

فَإِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَا يَخْرُجُ، وَلَا يُخْرَجُ، إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَأَنَا لَكَ جَارٌ، اِرْجِعْ وَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبَلَدِكَ---

''اے ابوبکر! تیرے جیسا مثالی آدمی نہ خود نکلا کرتا ہے، نہ اُسے نکالنا چاہیے۔ تم غریبوں کو کما کر دیتے ہو، رشتہ داروں کا پورا خیال رکھتے ہو، مصیبت زدہ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہو، یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری کرتے ہو، تم واپس چلو، میں تمھیں اپنی حمایت اور پناہ کی ضمانت دیتا ہوں۔ اپنے ہی شہر میں، اپنے رب کی عبادت کرو''---

پھر وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر، ساتھ ہی مکہ شہر آیا اور اعلان کیا کہ میں نے ابوبکر کو پناہ دے دی ہے، اب اسے کوئی نہ ستائے۔ پھر سردارانِ قریش سے ملا اور انہیں کہا:

افسوس ہے تم پر، تم اتنے اچھے آدمی کو ترکِ وطن پر مجبور کررہے ہو جو غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کا سہارا بنتا ہے۔ سب قریشی سرداروں نے کہا:

مُرْ أَبَا بَكْرٍ فَلْيَعْبُدْ رَبَّهٗ فِيْ دَارِهٖ---

ٹھیک ہے، بس ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہہ دو کہ اپنے گھر کے اندر اندر، اپنے رب کی عبادت کرے، ہمیں پریشان نہ کرے، یعنی علانیہ عبادت نہ کرے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ دن یونہی گزارے، پھر گھر کے صحن میں مسجد بنالی۔ نماز انتہائی خشوع وخضوع سے پڑھتے۔ نماز میں قرآن کی جو تلاوت کرتے، اس میں اتنا سوز وگداز ہوتا کہ مشرکین کی خواتین اور لڑکے، اس تلاوت کو رک رک کر سنتے اور متاثر ہوتے۔

وَكَانَ أَبُوْ بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً لَّا يَمْلِكُ عَيْنَهٗ، إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ---

''دورانِ تلاوت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت روتے، گویا سننے والوں کے دل موم ہورہے ہوتے تھے''---

مشرک اشرافیہ کو پھر گھبراہٹ ہوئی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اپنے رب کے سامنے گریہ و بکا، ہمارے بچوں اور خواتین کے دلوں پر چوٹ نہ کر جائے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ضامن اور پناہ دہندہ کو بلا بھیجا۔ ابن الدغنہ آیا تو اسے شکایت کی کہ دیکھو! اس نے گھر میں مسجد بنا کے، بلند آواز سے نماز اور تلاوت شروع کر دی ہے۔ ہم اس سے اپنے بچوں اور خواتین کے بارے میں فکر مند ہیں۔ اسے منع کر دیں، اگر باز آئے تو ٹھیک، ورنہ آپ اپنی ضمانت ختم کر دیں۔ ضامنِ ابی بکر، ابن الدغنہ، ابوبکر کے پاس آ کے کہتا ہے: آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کی کس بات پر ضمانت دی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَإِنِّي أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ ، وَ أَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ---

میں آپ کی ضمانت و پناہ کو واپس کرتا ہوں اور اللہ عزوجل کی پناہ میں راضی اور خوش ہوں، اللہ تعالیٰ کا سہارا میرے لیے کافی ہے۔[۲]

دورانِ تلاوت قرآن کریم، رونا

شیخ صلابی لکھتے ہیں:

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل بہت نرم تھا اور یقین و ایمان سے لبریز تھا۔ وقتِ تلاوت ان کا دل اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتا تھا، ایک ایک آیت کا مفہوم سمجھ سمجھ کر پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ آیاتِ الٰہی کی قوتِ تاثیر، ان کی آنکھوں کو رواں کر دیتی تھی۔ جن آیات میں منکرین کو سزائیں سنائی گئیں، ان پر شدید غم طاری ہو جاتا، جن آیات میں فرماں برداروں کو، انعامات کی خوش خبریاں دی جاتیں، ان آیات پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک جاتے"---

ہر مومن کی یہی کیفیت ہونی چاہیے۔ صراطِ مستقیم پر چلنے اور راہِ حق میں استقامت نصیب ہونے پر، دل شاداں و فرحاں ہو۔ راہ حق سے بھٹکنے پر، دل لرزاں و ترساں ہو۔ جیسا کہ صاحبِ احساس اور فکرِ زندہ سے معمور، ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے تھے۔ انہیں یہ قرآن، حیاتِ اخروی کی یاد دلاتا تھا، کہ وہاں حساب کیسے دینا ہے۔ کیا جزا و سزا ملے گی؟ یہی شعور و احساس، ان کے جسم کو کپکپا دیتا اور آنکھوں کو پرنم کر دیتا تھا۔ مشرکینِ مکہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی انہی کیفیات سے خوف زدہ تھے، کہ یہ چاہے ہمارے جوانوں اور خواتین کو، کوئی زبانی دعوت نہ دیں، ان کا اپنے رب کے سامنے دردمندانہ اور عاجزانہ رونا ہی ان کے دلوں کو لوٹ کر لے جائے گا۔

ہمارا نکتۂ دقیق

اس واقعہ میں داعیانِ حق کے لیے، کتنے ہی خوب صورت سبق ہیں، اللہ کرے کہ سمجھا کرے کوئی، باقی ہم یہ ثابت کررہے تھے کہ کنیت ''ابوبکر'' کنواری بیٹی کی وجہ سے نہیں تھی۔ یہ ابن الدغنہ کا واقعہ قریباً اُس سال پیش آیا تھا، جس سال سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی۔ اگر پیدا بھی ہوئی ہوں، تب بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ یہ نومولود بچی، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح میں دوں گا۔ ایسے حالات میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو، ابن الدغنہ بھی بار بار ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام سے پکارتا رہا ہے اور مشرکینِ مکہ بھی انہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کہہ کر ہی پکارتے رہے۔ اسی لیے ہم نے وہ جملے، عربی زبان میں نقل کیے، جن میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ''ابوبکر'' نام سے موسوم کیا گیا، بلکہ وہ اس سے بھی پہلے ''ابوبکر'' مشہور تھے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے:

جب اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعداد اڑتیس (38) ہوگئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دردمندانہ التجا کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کب تک چھپ چھپ کر دین کی دعوت چلے گی؟ ہمیں اب کھل کر سرعام دعوتِ حق پیش کرنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

یَا أَبَا بَکْرٍ! إِنَّا قَلِیْلٌ --- ''اے ابوبکر! ہم ابھی تعداد میں تھوڑے ہیں'' ---

لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل التجا کرتے رہے۔

بالآخر ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ان تھوڑے سے پیروکاروں کو لے کر، دارِ ارقم سے حرم کعبہ میں جا نکلے۔ ہر صحابی اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا۔

وَ قَامَ أَبُوْ بَکْرٍ فِی النَّاسِ خَطِیْبًا وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ جَالِسٌ ---

''ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان میں، بطورِ خطیب کھڑے ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما تھے'' ---

فَکَانَ أَوَّلَ خَطِیْبٍ دَعَا إِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَ إِلٰی رَسُوْلِہٖ ---

''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کھل کر دعوت دینے والے، پہلے خطیبِ اسلام ثابت ہوئے'' ---

اس بات کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں نظم کیا ہے:

آں اَمَنَّ النَّاس برمولائے ما آں کلیم اوّلِ سینائے ما
ہمتِ او کشتِ ملت را چو اَبر ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر [۳]

''وہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہمارے مولا و آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے بڑھ کر احسان کرنے والے ہیں، ہمارے طورِ سینا کے پہلے کلیم، یعنی خطیب ہیں۔ ان رضی اللہ عنہ کی ہمت نے ہماری ملت کی کھیتی کو، ابرِ کرم کی طرح سیراب کیا۔ وہ اسلام میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ رہے، غارِ ثور میں بھی، غزوۂ بدر میں بھی اور قبر شریف میں بھی ساتھ ہی آرام فرما ہیں''---

مشرکین دعوتِ حق سنتے ہی بھڑک اٹھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اور دیگر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حرم شریف میں انہیں بہت زیادہ مارا پیٹا۔ عتبہ خبیث نے اپنی لکڑی کی چپل، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ چہرہ اتنا سوج گیا کہ ناک بھی نظر نہ آتی تھی۔ انہیں زمین پر گرا کر، ان کے پیٹ پر چڑھ کر ناچتا رہا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو تیم کے لوگ آئے، بے ہوشی کے عالم میں، نیم مردہ حالت میں، ان کے گھر چھوڑ گئے۔ گھر والے انہیں بلانے کی کوشش کرتے رہے۔ شام کے قریب کچھ ہوش آیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے پہلا جملہ یہ نکلا:

مَا فُعِلَ رَسُوْلُ اللّٰه؟---

''(اماں جان!) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟''---

والدہ نے کہا: مجھے خبر نہیں ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نیم مدہوشی میں کہا: عمر (رضی اللہ عنہ) کی بہن امّ جمیل رضی اللہ عنہا کو بلواؤ۔ اس نے جب آ کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زخموں سے چور چور دیکھا تو چیخ اٹھی:

''اُف توبہ! ان کافروں اور فاسقوں نے، آپ کا یہ حشر کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے، ان سے ضرور انتقام لے گا''---

ابوبکر رضی اللہ عنہ امّ جمیل سے بھی وہی سوال کرتے ہیں:

مَا فُعِلَ رَسُوْلُ اللّٰه؟---''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟''---

وہ کہتی ہیں، آپ کی والدہ سن رہی ہے۔ (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھی)

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری والدہ کی فکر نہ کرو، تو امّ جمیل نے بتایا:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل خیریت سے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کہاں ہیں؟ امّ جمیل نے بتایا: دارِ ارقم میں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدارا میں تو اس وقت تک کچھ بھی نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہ کرلوں۔ امِّ جمیل نے کہا: اچھا صبر کریں۔ ذرا اندھیرا چھا جائے، لوگ اپنے گھروں میں جا ٹھہریں، تو ہم آپ کو لے چلتی ہیں۔ جب شہر میں سکون ہوا تو رات کے اندھیرے میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ امِّ الخیر (جو ابھی غیر مسلم تھی) اور سیدنا عمر کی بہن امِّ جمیل، دونوں خواتین نے کمال ہمت و جرأت سے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھوں کا سہارا دیتے ہوئے، بمشکل انہیں دارارقم میں پہنچا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت غیر دیکھ کر، ان کے اوپر جھک گئے اور انہیں چوم لیا۔ دیگر وہاں موجود مسلمان بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کیفیت دیکھ کر بہت زیادہ ترس آیا، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر، اتنا حوصلہ مند ہوئے، کہنے لگے:

حضور میرے ماں باپ آپ پر قربان! میری فکر نہ کریں، مجھے بس چہرے پر ذرا تکلیف ہے۔ حضور! یہ میری مہربان ماں حاضر ہے، جو اپنے بیٹے کو آپ کے پاس لائی ہے۔ آپ کی ہستی بابرکت ہے، اسے اللہ کی طرف دعوت دیں، نیز اس کے لیے دعا فرما دیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے بچا لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دعوت و دعا دی تو وہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ [۴]

داعیانِ اسلام کے لیے جو جو نکات اس واقعہ سے، راہنمائی دینے والے ہیں، وہ خود اخذ کرتے جائیں۔ ہمارا نکتہ وہی ہے کہ ولادتِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو "ابوبکر" فرما رہے ہیں:

یَا أَبَا بَکْرٍ إِنَّا قَلِیْلٌ --- "اے ابوبکر! ہم ابھی تھوڑے ہیں" ---

اس سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کنیت، کنواری بیٹی کی وجہ سے نہیں پڑی، بلکہ وہ پہلے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کہلاتے چلے آ رہے تھے۔

طالب ہاشمی نے "سیرۃ خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں بحوالہ علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ یہ لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اچھے کاموں اور پاکیزہ خصلتوں میں ابتکار (پیش پیش) رہنے کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا۔ ان کے کسی بیٹے کا نام "بکر" نہیں تھا۔ زمانۂ جاہلیت ہی میں وہ "ابوبکر" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ یہ کنیت اتنی مشہور ہوگئی کہ اصل نام لوگوں کی

نظروں سے اوجھل ہوگیا۔[۵]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تین بیٹے تھے: سب سے بڑے بیٹے عبد الرحمٰن تھے، دوسرے بیٹے عبداللہ تھے اور تیسرے محمد تھے۔ تین ہی بیٹیاں تھیں: اسماء، عائشہ، ام کلثوم[٦]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے:

اِنَّہٗ بَکَّرَ اِلَی الْاِسْلَامِ قَبْلُ---

"انہوں نے دوسروں سے پہلے، اسلام لانے میں پیش قدمی کی"---

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ پاکیزہ خصلتوں میں ابتکار (پیش پیش) ہونے کی وجہ سے۔

یہی بات محمد رضا مصری نے لکھی تھی:

کُنِّیَ بِاَبِیْ بَکْرٍ لِاِبْتِکَارِہِ الْخِصَالَ الْحَمِیْدَۃِ---[۷]

"قابلِ تعریف کاموں میں پہل کرنے کی وجہ سے، ابوبکر کنیت پڑ گئی"---

ان سب توجیہات کا ماحصل ہے:

❶ ......صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کوئی بیٹا بکر نہ تھا، جس کی وجہ سے ابوبکر کہلائے۔ دستورِ عرب کے مطابق اگر کنیت رکھتے تو ابو عبدالرحمٰن رکھتے، بڑے بیٹے کی نسبت سے۔

❷ ......کنواری بیٹی نکاحِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں دینے کی وجہ، ویسے ہی عقل کے خلاف، بلکہ دستورِ عرب کے بھی خلاف ہے۔ ان باتوں سے یہ چیز کھل کر سامنے آئی کہ ابو کا لفظ، ہر نام کے شروع میں لگانے سے معنی باپ ہی نہیں ہوگا، بلکہ صاحب یا والا بھی ہوگا۔

نام ابوبکر

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کنیت تو ان کی نیکیوں میں سبقت کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن بعد کے نیک لوگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان شخصیت سے متاثر ہوکر، بیٹوں کے نام ہی ابوبکر رکھے۔ تاریخِ اسلام میں ابوبکر نام کی بہت طویل فہرست ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فصل لکھی:

فِیْ تَسْمِیَۃِ مَنِ اشْتُھِرَ بِالْکُنْیَۃِ---

"ان لوگوں کے بارے میں، جو اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہوئے"---

اس فصل میں کنیت والے ناموں کا ذکر کرتے کرتے، وہ نام بھی ذکر کر گئے ہیں، جن کی

کنیت ہی، ان کا نام تھا۔

❶......سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم نے، اپنے بیٹے کا نام ہی ابوبکر رکھا۔

حافظ صاحب لکھتے ہیں:

اِسْمُہٗ کُنْیَتُہٗ---''اس کی کنیت ہی، اس کا نام تھا''---

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پڑپوتا تھا۔

❷......سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دوسرے پوتے عبد الرحمٰن نے بیٹے کا نام، اپنے دادا کے نام پر عمر رکھا۔ پھر اسی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے نے، اپنے بیٹے کا نام ابوبکر رکھا۔

❸......صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرو بن حزم الانصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد نے، آگے اپنے بیٹے کا نام ابوبکر رکھا۔[۸]

ابوالعیال (عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

وَاِذَا غِبْتُمْ فِی الْبُعُوْثِ، فَاَنَا اَبُو الْعِیَال حَتّٰی تَرْجِعُوْا اِلَیْھِمْ---[۹]

''جب تم جہاد کے محاذوں پر جاؤ، تو تمہاری غیر حاضری میں، میں تمہارے گھرانوں کا رکھوالا ہوں، جب تک کہ تم اپنے اہل وعیال میں واپس نہ آ جاؤ''---

اَلْعِیَالُ: أَھْلُ بَیْتِ الرَّجُلِ الَّذِیْنَ یَکْفُلُھُمْ---

''عیال ان افرادِ خانہ کو کہتے ہیں، جن کی کفالت آدمی کرتا ہے''---

مُفْرَدُہٗ: عَیِّلٌ---''عیال کا واحد عَیِّلٌ ہے''---[۱۰]

عیال کو انگلش میں Family, Dependents کہتے ہیں۔[۱۱]

عیال اردو زبان میں کافی مستعمل لفظ ہے۔ اہل وعیال، عیال دار، عیال داری میں پھنسنا، عیال کا معنی: زن وفرزند، بال بچے، متعلقین[۱۲] جتنا ''عیال'' لفظ، اردو زبان میں مشہور ومعروف ہے، اتنا ہی ''عَیِّلٌ'' اس کا واحد غیر معروف ہے۔

فارسی زبان میں:

''عِیال: بکسر اوّل، بمعنی زن وفرزند، ودیگر توابع بفتح خطاست''---[۱۳]

اردو دان اکثر، عیال کے ع پر (فتح) زبر بولتے ہیں، حالانکہ عربی اور فارسی زبان میں ع پر (کسرہ) زیر ہے۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:

کان عمر رضی اللہ عنہ ابا العیال حتی کان یمشی الی المغیبات---

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابوالعیال (مجاہدین کے خاندانوں کے سرپرست) تھے، حتی کہ ان خواتین کے دروازوں پر جاتے، جن کے شوہر جہاد کے محاذوں پر، شریکِ جہاد ہوتے تھے''---

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان مستورات سے پوچھتے تھے، کیا تمہیں بازار سے ضرورت کی کوئی چیزیں درکار ہیں؟ جو میں خرید کروادوں، تاکہ خرید وفروخت میں تمہیں دھوکہ نہ دیا جاسکے، پھر وہ خواتین اپنی چھوٹی بچیوں کو، ان کے ساتھ روانہ کردیتیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بازار میں داخل ہوتے تو ان کے پیچھے پیچھے بے شمار بچے بچیاں، خوشی خوشی جارہے ہوتے۔ ہر بچے کی ضرورت کی اشیاء (جو ان کی ماؤں نے بتائی ہوتیں) لے کر دیتے، جس بچے کے پاس پیسے نہ ہوتے، اسے اپنی جیب سے لے کر دیتے۔[۱۴]

یہاں ابوالعیال سے مراد، خاندان کے حقیقی والد نہیں ہیں، بلکہ مجازی طور پر عمر رضی اللہ عنہ ''ابو العیال'' قرار پائے۔

حوالہ جات

۱......سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا، ص20، سید سلیمان ندوی

۲...... فتح الباری بحوالہ دکتور الصلابی

۳......رموزِ بےخودی، کلیات فارسی، ص156

۴...... البدایة والنہایة

۵......سیرة خلیفة الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص:32

۶......سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ص22-21

۷...... الخلفاء الراشدون، ص13

۸...... مقدمہ فتح الباری، ص374,377

۹...... کتاب الموافقة، رازی، ص82

۱۰...... المعجم الوجیز، ص443

۱۱...... المورد عربی انگلش

۱۲......فیروز اللغات اردو

۱۳......غیاث اللغات، ص479

۱۴...... حیاة الحیوان، جلد اوّل، ص72

[جاری ہے]



صاحبِ بہارِ شریعت

حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری

حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، انڈیا کے مردم خیز قصبے گھوسی میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے[۱] ابتدائی تعلیم آبائی قصبہ ہی میں حاصل کرنے کے بعد استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خان جون پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب امام منطق و حکمت، علامہ فضل حق خیر آبادی کے خاص شاگرد، علم و فضل میں فقید المثال، بالخصوص معقولات و حکمت میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے حضرت صدر الشریعہ کو خوب پڑھایا اور خیر آبادی سلسلۂ علم و حکمت کا وارث بنا دیا۔ علوم عقلیہ سے فراغت کے بعد شیخ المحدثین حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی سے صحاح ستہ کا درس اس محنت سے لیا کہ کمالِ حصول کی داد خود حضرت محدثِ سورتی نے ان الفاظ میں دی:

''مجھ سے اگر کسی نے پڑھا تو امجد علی نے''---[۲]

علم الادیان کی تکمیل کے بعد علم الابدان کی جانب متوجہ ہوئے اور دو سال لکھنؤ میں حکیم عبد الولی کے پاس رہ کر علم طب کی تحصیل و تکمیل کی۔

تدریس

تدریس کا آغاز ۱۳۲۴ھ میں مدرسہ اہل سنت پٹنہ سے کیا۔ جس کے مہتم خلیفۂ اعلیٰ حضرت قاضی عبدالوحید تھے۔ دو سال تک یہاں جم کر پڑھایا، لیکن قاضی صاحب کے انتقال کے بعد منتظمینِ مدرسہ کے رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر استعفیٰ دے دیا اور وطن لوٹ آئے۔ یہاں آپ نے اپنا خاندانی پیشہ طبابت شروع کر دیا۔ خداداد صلاحیت کی بنا پر مطب نہایت کامیابی سے چل پڑا۔ ۱۳۲۹ھ میں آپ اپنے استاذ حضرت محدثِ سورتی اور شیخِ طریقت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی زیارت کے لیے عازم سفر ہوئے۔ حضرت محدثِ سورتی کی خدمت میں پہنچے تو وہ یہ جان کر نہایت غمگین ہوئے کہ ان کے لائق و فائق شاگرد نے تدریس چھوڑ کر مطب کھول لیا ہے۔ جب حضرت صدر الشریعہ رخصت ہو کر بریلی جانے لگے تو ایک خط اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تحریر فرما کر دیا، جس میں اعلیٰ حضرت سے مولانا امجد علی اعظمی کو خدمتِ علم دین کی جانب متوجہ کرنے کی گزارش کی گئی تھی۔

جب آپ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی خدمت میں محدثِ سورتی کا خط لے کر پہنچے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''طبابت اچھا کام ہے کہ ''العلم علمان ، علم الادیان و علم الابدان''
لیکن اس میں صبح سویرے قارورہ دیکھنا پڑتا ہے''---

اس ارشاد میں جو روحانی تاثیر تھی، صدر الشریعہ کے دل میں اس کا گہرا اثر ہوا، چنانچہ مطب چھوڑ کر بریلی شریف میں دینی کاموں میں مصروف ہو گئے [۳] اور ہمیشہ کے لیے تدریسِ دین کے لیے وقف ہو گئے۔ آپ نے درج ذیل مدارس میں تدریس کے فرائض انجام دیے: ❶ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف، ❷ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف، ❸ دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں، ❹ مظہر العلوم بنارس

بیعت و خلافت

آپ نے پٹنہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلوص، تقویٰ اور علمی مقام سے متاثر ہو کر آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔ شیخِ طریقت کا دستِ مبارک تھام کر آپ نے مقصودِ حیات پا لیا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں صبح و شام حاضری کی برکت سے علم و فضل کے پیکر پر

معرفت وحقیقت کا رنگ چڑھنے لگا اور صدر الشریعہ کی شخصیت دو آتشہ بن گئی۔ بالآخر وہ موقع بھی آ ہی گیا کہ ۱۳۳۴ھ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضرت صدر الشریعہ کو بغیر کسی مطالبہ کے جملہ سلاسل کی اجازتِ تامہ وعامہ عطا فرمائی، اپنا خلیفہ مطلق کیا اور اپنا عمامہ سرِ اقدس سے اتار کر حضرت صدر الشریعہ کے سر پر باندھا۔[۴]

حضرت صدر الشریعہ پر اعلیٰ حضرت کی عنایات کا سلسلہ یہیں پر نہیں رکا، بلکہ آپ کو قاضئ شرع کے منصب پر فائز فرمایا، صدر الشریعہ کا لقب عطا فرمایا، دار العلوم منظر اسلام کا صدر المدرسین بنایا۔ اپنے خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا تذکرہ یوں محبت سے فرمایا:

''میرا امجد مجد کا پکا، اس سے بہت کچھ امیدیں ہیں''---[۵]

مرجع العلماء

حضرت صدر الشریعہ اپنی علمی قابلیت خصوصاً فقاہت کی وجہ سے مرجع العلماء تھے۔ برصغیر میں علمائے کرام کو جب کسی دینی مسئلہ میں دشواری پیش آتی تو اسے حل کرنے کے لیے آپ سے رجوع کرتے۔ جب ہم آپ سے فتویٰ لینے والوں کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو حضرت محدثِ کچھوچھوی، مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی، مولانا حشمت علی لکھنوی، مولانا سراج احمد مکھن پوری، حافظِ ملت علامہ عبد العزیز محدثِ مراد آبادی، امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی اور خیر الاذکیاء مولانا غلام یزدانی اعظمی جیسے جید علماء کے نام نظر آتے ہیں۔

تصنیفات

تدریس کی جاں گسل مصروفیات کے باوجود آپ نے نہایت مفید کتب کا تحفہ قوم کو عطا فرمایا، جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

❶ بہارِ شریعت: اردو زبان میں سترہ حصوں پر مشتمل اس کتاب کو اگر فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب صرف پاک و ہند ہی نہیں پوری دنیا میں مقبول ومعروف ہے۔ مختلف زبانوں میں ترجمہ کے بعد شائع ہو کر حضرت صدر الشریعہ کے لیے ثوابِ جاریہ کا سامان بن چکی ہے۔

❷ فتاویٰ امجدیہ: چار جلدوں میں پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔

❸ التحقیق الکامل فی حکم قنوت النوازل

❹ قامع الواجیات من جامع الجزئیات

❺ اتمام حجت تامہ، ❻ اسلامی قاعدہ

❼ حاشیۃ شرح معانی الآثار، پہلی چھ کتب شائع ہوکر مقبولِ خاص و عام ہو چکی ہیں، جب کہ حاشیۃ شرح معانی الآثار غیر مطبوعہ ہے۔

اخلاق و عادات

آپ شریعت وسنت کے پابند اور متقی و پرہیز گار عالم تھے۔ باقاعدگی سے نماز باجماعت ادا فرماتے۔ روزانہ ایک پارہ کی تلاوت کرتے اور ایک حزب دلائل الخیرات شریف پڑھتے۔ بعد نماز ِ جمعہ بلا ناغہ سو مرتبہ درودِ رضویہ پڑھتے۔ نعت شریف نہایت ادب سے سنتے، بسا اوقات چشمانِ اطہر سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ہر خاص و عام سے نہایت خوش اخلاقی سے ملتے۔ خطوط کے جوابات نہایت پابندی سے دیتے۔ گھر پر آنے والوں کی مہمان نوازی کا اہتمام فرماتے۔ وقت کا بہت خیال رکھتے۔ عزیز و اقارب سے ہمدردی اور صلہ رحمی فرماتے۔ خاندان میں شکر رنجی ہوتی تو ملا دیا کرتے۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست تو بہت طویل ہے، لیکن درج ذیل زیادہ نمایاں ہیں:

① ...... محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری چشتی

② ...... حافظِ ملت مولانا عبد العزیز مبارک پوری

③ ...... مناظر اہلِ سنت مولانا حشمت علی لکھنوی

④ ...... امام النحو علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی

⑤ ...... مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن الٰہ آبادی

⑥ ...... امینِ شریعت علامہ رفاقت حسین کانپوری

⑦ ...... سید العلماء مولانا سید آلِ مصطفیٰ مارہروی

⑧ ...... شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ الازہری

⑨ ...... خلیلِ ملت مفتی خلیل خاں برکاتی

⑩ ...... خیر الاذکیاء مولانا غلام یزدانی اعظمی

⑪ ...... شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی

⑫...... شمس العلماء قاضی شمس الدین جونپوری وغیرہم

علاوہ ازیں یہ اعزاز بھی شاید صرف صدرالشریعہ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کے تمام فرزندان عالم دین اور عالم گر ہیں۔ نہ صرف فرزندان، بلکہ پوتے اور نہ صرف اولاد ذکور بلکہ اولاد اناث یعنی بیٹیاں اور پوتیاں بھی عالمات ہیں۔

وصال پُر ملال

حضرت صدرالشریعہ نے پہلے حج کی سعادت ۱۳۳۷ھ میں حاصل کر لی تھی، دوسری مرتبہ حج و زیارتِ حرمین شریفین کے ارادے سے نکلے تو دورانِ سفر بخار نے آ لیا۔ سفر ملتوی کرنے کا مشورہ دیا گیا، لیکن آپ نے یہ کہہ کر سفر جاری رکھا:

''اگر عمر کا پیمانہ لبریز ہو ہی چکا ہے تو اس سے بڑھ کر فیروز مند موت اور کون سی ہو سکتی ہے کہ راہِ حبیب میں جان دے دوں'' ---

جب بمبئی پہنچے تو بخار نمونیہ میں تبدیل ہو گیا۔ بالآخر یہیں ۲/ ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/ ۶/ ستمبر، ۱۹۴۸ء، بروز دوشنبہ کو ساڑھے بارہ بجے شب وصال فرمایا۔

مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں [۶]

حوالہ جات

۱...... شریف الحق امجدی، مفتی، صدرالشریعہ، ایک جامع صفات ہمہ گیر شخصیت، مشمولہ ماہ نامہ اشرفیہ، صدرالشریعہ نمبر، ص۲۴

۲...... بدرالقادری، مولانا، حضور صدرالشریعہ، حیات وخدمات، ص ۴۷

۳...... شریف الحق امجدی، مفتی، صدرالشریعہ، ایک جامع صفات، ہمہ گیر شخصیت، ماہ نامہ اشرفیہ، صدرالشریعہ نمبر، ص۴۰

۴...... عبدالمنان اعظمی، مفتی، حیاتِ صدرالشریعہ، ص۴۸

۵...... احمد رضا خاں، امام، الاستمداد، ص ۹۷

۶...... محمد عطاء الرحمٰن قادری، حافظ، سیرت صدرالشریعہ، ص۲۷۹



وفیات

گزشتہ مہینہ ڈیڑھ میں بہت سے علماء وصلحاء دنیا سے رخصت ہوگئے، جن کی رحلت اہلِ سنت کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان اور عظیم صدمہ ہے۔ ان شخصیات میں جامع معقول ومنقول حضرت مولانا صاحبزادہ پیر سائیں سردار احمد عالم قادری، مجاہد اسلام علامہ پیر محمد افضل قادری، استاذ العلماء مفتی گل احمد عتیقی، صاحبِ بہارِ شریعت کے پوتے مفتی عطاء المصطفیٰ اور مفتی احمد میاں برکاتی کے نام نمایاں ہیں۔ پیر سائیں سردار احمد عالم قادری کے حوالے سے تو گزشتہ ماہ مضمون شائع ہوگیا تھا، دیگر حضرات کا مختصر ذکرِ خیر نذر قارئین ہے:

پیر محمد افضل قادری رحمۃ اللہ علیہ

موصوف حضرت خواجہ پیر محمد اسلم قادری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور ممتاز عالم دین علامہ مفتی محمد اشرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ اکبر تھے۔ ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ ہجری، ۲۰/ جنوری ۱۹۵۳ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد گرامی کے علاوہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی اور مفتی اعظم حضرت سید ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہما سے تعلیم حاصل کی۔ وہ اہلِ سنت کے بے باک اور حق گو مبلغ، لائق مدرس اور گوناگوں صلاحیتوں کے حامل عالم دین تھے۔ انہوں نے کئی بار قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، تحریکِ ختم نبوت اور ناموسِ رسالت کے سلسلے میں بہت جدوجہد کی۔ وہ جامعہ قادریہ عالمیہ نیک آباد (مراڑیاں) گجرات کے بانی ومہتمم تھے۔ ۲/ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ، ۱۳/ مارچ ۲۰۲۴ء، بروز بدھ راہیٔ ملک بقا ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

ادارہ ان کے صاحبزادے اور جانشین علامہ صاحبزادہ پیر محمد عثمان افضل قادری، جملہ پسماندگان، تلامذہ، مریدین اور معتقدین سے تعزیت کناں ہے۔

علامہ گل احمد عتیقی رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ سنت کے نامور عالم دین اور کہنہ مشق مدرس حضرت مفتی گل احمد خان عتیقی کی ولادت ۱۳۶۸ھ، ۱۹۴۹ء کو آزاد کشمیر کے ایک گاؤں ''سربن''، تحصیل ہٹیاں میں ہوئی۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی وجہ سے ''عتیقی'' کہلاتے۔ مفتیٔ اعظم حضرت سید ابوالبرکات، علامہ عطا محمد بندیالوی، شیخ القران علامہ غلام علی اوکاڑوی، محدث کبیر علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہم ایسے جید علماء سے اکتسابِ فیض کیا۔

وہ متعدد مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، آخر میں جامعہ ہجویریہ دربار حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ استاذ العلماء مولانا عبدالستار سعیدی اور علامہ محمد صدیق ہزاروی حفظہما اللہ وغیرہ علماء کا شمار ان کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ۲۳/شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ، ۵/مارچ ۲۰۲۴ء، بروز منگل ان کا وصال ہوا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ صدر الشریعہ، خلیفۂ تاج الشریعہ، صاحبِ بہار شریعت کے پوتے، محدثِ کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کے شہزادے اور دارالعلوم امجدیہ کراچی کے مفتی علامہ مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی امجدی طائف سے مکہ مکرمہ عمرہ کے لیے جاتے ہوئے مورخہ ۱۵/اپریل ۲۰۲۴ء کو ٹریفک حادثہ میں شہید ہو گئے۔ وہ بہترین مدرس، مفتی، مبلغ اور مصنف تھے۔

مفتی احمد میاں برکاتی مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

رمضان المبارک کے آخری ایام میں اہلِ سنت کے نامور عالم دین مفتی احمد میاں برکاتی مارہروی المعروف آغا جان، مہتمم جامعہ خلیلیہ برکاتیہ، حیدرآباد (سندھ) بھی وصال فرما گئے، موصوف حضرت مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور صاحبِ قلم عالم دین تھے۔

علاوہ ازیں:

● دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے قدیم فاضل حضرت مولانا نور احمد، خطیب جامع مسجد مدینہ، محلہ پیر اسلام، حویلی لکھا، ● فاضل دارالعلوم ہذا مولانا منظور احمد نوری، خطیب قادر آباد (حجرہ شاہ مقیم) ۲۸/رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ کو ● مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن (کراچی) کے بھائی ڈاکٹر محبوب الرحمٰن ۱۶/اپریل ۲۰۲۴ء کو ایبٹ آباد میں، ● مولانا عبدالرشید (بن مولانا ابوالبقاء محمد حبیب اللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ) کے جوان سال بیٹے حافظ شیر محمد بصیر پور شریف، ● جسٹس (ر) منیر احمد مغل (لاہور)، ● حافظ اعجاز احمد نوری بن حاجی یار محمد نوری، گدپور تحصیل چونیاں کے تایا جان، ● مولانا محمد شعیب نوری (ہارون آباد) خطیب حاصل پور کے ماموں جان، ● حافظ محمد رفیق نوری، حجرہ شاہ مقیم کی والدہ محترمہ، مولانا محمد نعیم نوری، سکھ پور (اوکاڑا) کی دادی محترمہ اور ● حافظ محمد یار نوری، امام مسجد دربار حضرت داؤد بندگی رحمۃ اللہ علیہ، شیر گڑھ کی زوجہ محترمہ مسافرانِ آخرت میں شامل ہو گئے--- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



پھر آگ ہے، شعلے ہیں، سلگتا ہے فلسطین

پھر آگ ہے، شعلے ہیں، سلگتا ہے فلسطین!
بارود کے حملوں سے لرزتا ہے فلسطین!

فریاد سے اٹھا ہے دھواں جانب آفاق
آہوں سے سرِ عام سسکتا ہے فلسطین!

ہر سمت تباہی ہے وہاں رقص میں مصروف
دریائے لہو رنگ! چھلکتا ہے فلسطین

اطفال و خواتین بھی، سب پیر و جواں بھی
سکرات میں ہیں، پاؤں رگڑتا ہے فلسطین

کیوں عالم اسلام ہے مصروفِ تماشا؟
اب وقتِ مدد ہے کہ تڑپتا ہے فلسطین

ہر سمت سے دشمن نے شکنجے میں کسا ہے
اب ظلم کی بھٹی میں دہکتا ہے فلسطین

ہنگامۂ محشر ہے بپا آہ و بکا سے
امداد کو ہر وقت ترستا ہے فلسطین

ہے نالہ کناں، محوِ فغاں رضویؔ محزون
بے یار و مددگار بلکتا ہے فلسطین

مفتی آفتاب احمد رضوی



نقشہ اوقاتِ نماز برائے بصیر پور شریف و مضافات---ماہ مئی

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری	طلوعِ آفتاب، انتہائے فجر	ضحوۂ کبریٰ	ابتداء وقتِ ظہر	اخیر مثلِ اوّل	اخیر مثلِ دوم آغاز وقتِ عصر	غروبِ آفتاب (افطار) وقتِ مغرب	ابتداء وقتِ عشاء
-	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا
1	3:52:34	5:19:56	11:17:52	12:01:48	3:40:08	4:47:31	6:45:56	8:11:05
2	3:51:24	5:19:03	11:17:38	12:01:41	3:40:05	4:47:47	6:46:36	8:12:01
3	3:50:16	5:18:11	11:17:23	12:01:35	3:40:02	4:48:04	6:47:16	8:12:57
4	3:49:09	5:17:20	11:17:10	12:01:29	3:39:59	4:48:21	6:47:56	8:13:53
5	3:48:02	5:16:30	11:16:57	12:01:24	3:39:57	4:48:38	6:48:36	8:14:50
6	3:46:57	5:15:41	11:16:44	12:01:19	3:39:54	4:48:55	6:49:16	8:15:46
7	3:45:53	5:14:53	11:16:32	12:01:15	3:39:52	4:49:12	6:49:56	8:16:42
8	3:44:50	5:14:06	11:16:20	12:01:11	3:39:50	4:49:30	6:50:36	8:17:39
9	3:43:47	5:13:20	11:16:09	12:01:08	3:39:48	4:49:47	6:51:15	8:18:35
10	3:42:47	5:12:36	11:15:58	12:01:06	3:39:47	4:50:04	6:51:55	8:19:31
11	3:41:47	5:11:53	11:15:48	12:01:04	3:39:45	4:50:22	6:52:35	8:20:28
12	3:40:48	5:11:11	11:15:39	12:01:03	3:39:44	4:50:39	6:53:15	8:21:24
13	3:39:51	5:10:30	11:15:30	12:01:02	3:39:44	4:50:57	6:53:54	8:22:20
14	3:38:55	5:09:51	11:15:22	12:01:02	3:39:43	4:51:14	6:54:33	8:23:15
15	3:38:01	5:09:13	11:15:14	12:01:02	3:39:43	4:51:32	6:55:12	8:24:11
16	3:37:08	5:08:36	11:15:07	12:01:03	3:39:43	4:51:50	6:55:51	8:25:06
17	3:36:16	5:08:01	11:15:01	12:01:05	3:39:44	4:52:08	6:56:30	8:26:01
18	3:35:26	5:07:26	11:14:55	12:01:07	3:39:45	4:52:26	6:57:09	8:26:55
19	3:34:37	5:06:54	11:14:50	12:01:10	3:39:46	4:52:44	6:57:47	8:27:49
20	3:33:50	5:06:22	11:14:45	12:01:14	3:39:48	4:53:02	6:58:25	8:28:43
21	3:33:05	5:05:52	11:14:41	12:01:18	3:39:50	4:53:21	6:59:03	8:29:36
22	3:32:21	5:05:24	11:14:38	12:01:23	3:39:53	4:53:39	6:59:40	8:30:28
23	3:31:38	5:04:57	11:14:35	12:01:28	3:39:56	4:53:57	7:00:17	8:31:20
24	3:30:58	5:04:31	11:14:34	12:01:34	3:39:59	4:54:16	7:01:54	8:32:11
25	3:30:19	5:04:07	11:14:32	12:01:40	3:40:03	4:54:34	7:01:30	8:33:02
26	3:29:42	5:03:44	11:14:32	12:01:47	3:40:07	4:54:53	7:02:06	8:33:52
27	3:29:06	5:03:22	11:14:31	12:01:54	3:40:12	4:55:11	7:02:42	8:34:41
28	3:28:33	5:03:02	11:14:32	12:02:01	3:40:18	4:55:30	7:03:16	8:35:29
29	3:28:01	5:02:43	11:14:33	12:02:10	3:40:23	4:55:48	7:03:51	8:36:16
30	3:27:31	5:02:26	11:14:35	12:02:18	3:40:29	4:56:07	7:04:24	8:37:02
31	3:27:03	5:02:10	11:14:37	12:02:27	3:40:36	4:56:25	7:05:57	8:37:47

● ...... **گھڑیاں درست رکھیں**

لا الٰہ کے دیس میں کشورِ حسین پر

لا الٰہ کے دیس میں کشورِ حسین پر
المیہ ہی المیہ ، پاک سر زمین پر

اہلِ زر کا راج ہے ، جبر تخت و تاج ہے
ظلم کا سماج ہے ، روگ لا علاج ہے
ظلم کا یہ سلسلہ ، طاق ہے جبین پر
المیہ ہی المیہ پاک سر زمین پر

خوف ہے ، ہراس ہے ، تشنگی ہے ، پیاس ہے
چھت ہے نا لباس ہے ، چور چور آس ہے
ہائے لٹ گیا یقین مرکزِ یقین پر
المیہ ہی المیہ پاک سر زمین پر

شہر ہے یا گوٹھ ہے ، نظریوں کی اوٹ ہے
نیتوں میں کھوٹ ہے ، ٹھوکریں ہیں ، چوٹ ہے
رہزنی کا ہو گمان اپنے ہم نشین پر
المیہ ہی المیہ پاک سر زمین پر

بھیڑیئے ہیں رو برو ، بہہ رہا ہے کو بہ کو
اپنا خون جو بہ جو ، تیر زن چہار سو
سب کے سب جھپٹ پڑے آج اہلِ دین پر
المیہ ہی المیہ پاک سر زمین پر



Book No. 36 Serial No. 5
May-2024
Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN 1993-4238



جنوبی سمت طلباء کے لیے درس گاہوں اور رہائشی کمروں کی تعمیر نو کا کام جاری ہے

دینی درد اور علوم اسلامیہ سے محبت رکھنے والے احباب کو
اس کارِ خیر میں حصہ ڈالنے کی دعوت دی جاتی ہے
آپ کے صدقات، زکوٰۃ، خیرات، غلہ جات، دیگر عطیات

آپ کے لیے صدقۂ جاریہ اور دنیا و آخرت
کی بھلائی کا ذریعہ بنیں گی۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ

نوٹ: عطیات کی رقم براہ راست بھجوائیں

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور شریف ضلع اوکاڑا
موبائل نمبر: 0300-4321088, 0345-7526622, 0306-5696666